Regd. L. No.7243

Phone, 80800

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

دسمبر 1969

کنونشن نمبر

شائع کردہ ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵-بی گلبرگ - لاہور

قیمت فی پرچہ ایک روپیہ

خدا اور سرمایہ دار

ایک بصیرت افروز اور معلومات افزا پیش کش

- کیا اسلام مغرب کے معاشی نظام کا حامی ہے ؟
- کیا اسلام، اشتراکی نظام کا حامی ہے ؟
- کیا اسلام کا کوئی اپنا معاشی نظام ہے ؟
- اس نظام کی تفاصیل کیا ہیں ؟
- وہ کس طرح دوسرے معاشی نظاموں سے مختلف ہے ؟
- کیا وہ نظام، نوعِ انسان کے معاشی مسئلہ کا اطمینان بخش حل پیش کرسکتا ہے ؟
- اس نظام کی مخالفت کس طبقہ کی طرف سے ہوتی ہے اور کیوں ؟

یہ اور اسی قسم کے دیگر معاشی مسائل کا تجزیہ، تبصرہ اور حل۔ عصرِ حاضر کے پریشاں انسان کے لئے شارعِ امید۔ اہلِ پاکستان کیلئے قندیلِ راہ۔

قسم اعلیٰ — سفید پرنٹنگ پیپر، نہایت روشن طباعت، مضبوط جلد، حسین گرد پوش۔
قیمت — نو روپے

سستا ایڈیشن — نیوز پرنٹ، بکس بورڈ کور — قیمت — پانچ روپے

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام - ۲۵/بی - گلبرگ ۲ - لاہور

Saeed 67

پرویز صاحب کی عمر بھر کی قرآنی فکر کا ماحصل

انقلاب انگیز کتابیں

سلیم کے نام خطوط

ہمارا تعلیم یافتہ نوجوان طبقہ ایک عجیب کشمکش میں گرفتار ہے۔ اسلام کے متعلق اس کے دل میں سینکڑوں شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں لیکن اسے ان کا کہیں سے اطمینان بخش جواب نہیں ملتا۔ جب وہ اس طرح مذہب سے متنفر ہو جاتا ہے تو ہم اسے کوسنے لگ جاتے ہیں۔ اسے کوسنے نہیں، یہ کتاب دیجئے اور پھر دیکھئے کہ وہ کس طرح صحیح اسلام کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ خطوط کا انداز بڑا دلکش اور بالکل ہلکا پھلکا ہے۔ خوبصورت ٹائپ۔ عمدہ کاغذ۔ مجلد۔ پہلی جلد آٹھ روپے۔ دوسری و تیسری جلد [illegible] روپے فی جلد

انسان نے کیا سوچا؟

کیا محض عقلِ انسانی زندگی کے مسائل کا حل دریافت کر سکتی ہے؟ اس اہم اور پیچیدہ سوال کا جواب یونان کے فلاسفروں سے لے کر ہمارے زمانے کے مفکرین اور سائنسدانوں نے کیا دیا ہے؟ یہ کتاب آپ کو سینکڑوں کتابوں سے مستغنی کر دے گی۔ بڑی تقطیع۔ خوبصورت ٹائپ۔ عمدہ سفید کاغذ۔ مجلد (بارہ روپے)

لغات القرآن

یہ قرآنی الفاظ کی صرف ڈکشنری نہیں۔ یہ ان کا مستند اور واضح مفہوم پیش کرنے کے ساتھ یہ بھی بتاتی ہے کہ ان الفاظ سے قرآن کس قسم کا تصور پیش کرتا ہے۔ اس کی تعلیم کیا ہے۔ اس کی دعوت کیا ہے۔ قرآن نے انسان کو کیا دیا ہے۔ یہ کس کا مقام کیا متعین کرتا ہے۔ چار جلدوں کی یہ کتاب قرآنی حقائق اور علوم حاضرہ کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔ خوبصورت ٹائپ۔ عمدہ سفید کاغذ۔ خوبصورت جلد۔ پہلی تین جلدوں کی قیمت پندرہ روپے فی جلد۔ چوتھی جلد [illegible] عنقریب چھپ رہی ہے

بصیرت افروز کتابیں

عہد آفریں کتابیں

اسلام کیا ہے

یہ مسائل کی کتاب نہیں۔ یہ آپ کو بتائے گی کہ اسلام کے بنیادی تصورات کیا ہیں۔ وہ کس قسم کا معاشرتی، معاشی، سیاسی نظام قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس کی رو سے انسانی پیدائش کا مقصد کیا ہے اور اس کی غرض و غایت کیا۔ اور معاشرہ میں عورت کا صحیح مقام کیا ہے۔ (قسم اعلیٰ۔ آٹھ روپے
جیبی ایڈیشن۔ چار روپے)

سلسبیل

پرویز صاحب کے خطبات و مقالات نے ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ کے دل و دماغ میں عجیب شعور و انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ سلسبیل انہی خطبات و مقالات کا دلکش مجموعہ ہے جس میں زندگی کے مختلف گوشے ابھر کر سامنے آ گئے ہیں۔ ایسی کتابیں عہد آفریں ہوتی ہیں۔ کتابت و طباعت، کاغذ عمدہ۔ قیمت مجلد آٹھ روپے

معلومات افزا کتابیں

ناظم ادارہ طلوع اسلام — ۲۵ بی۔ گلبرگ۔ لاہور

لاہور سے

ادارہ طلوعِ اسلام کی مطبوعات اور دیگر نامور مصنفین کی تصنیفات

حاصل کرنے یا منگانے کا پتہ :-

مکتبہ دین و دانش چوک اردو بازار لاہور

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

بدل اشتراک

سالانہ — پاکستان — دس روپے

سالانہ — ہندوستان — پندرہ روپے

سالانہ — غیر ممالک — ایک پونڈ

قیمت فی پرچہ

پاکستان ــــ ایک روپیہ

ہندوستان

ڈیڑھ روپیہ

ٹیلیفون

۸۰۸۰۰

خط و کتابت

ناظم ۔ ادارہ طلوعِ اسلام

۲۵ ۔ بی ۔ گلبرگ ۲ ۔ لاہور

جلد (۲۲) | دسمبر ۱۹۶۹ء | نمبر (۱۲)

فہرست

(۱) ــــ لمعات ــــــــــ محترم پرویز صاحب ــــ ۲

(۲) ــــ روئیداد طلوع اسلام کنونشن ــــ محترم غلام صابر صاحب ــــ ۱۷

(۳) ــــ رپورٹ ناظم ــــــــ مرزا محمد خلیل صاحب ــــ ۴۱

(۴) ــــ طلوع اسلام کالج ــــــــ رپورٹ سیکرٹری قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی ــ ۴۶

(۵) ــــ باب المراسلات ۔ (کیا رزق کی تقسیم خدا نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے؟) ــــ ۵۷

(۶) ــــ جدید نظامِ تعلیم ــــــــ (محترم محمد اسلام صاحب ۔ کراچی) ــــ ۶۸

(۷) ــــ نقد و نظر ــــ (۳ الاحیاء) ــــ (مزمور میر مغنی) ــــ ۷۹

ایڈیٹر محمد خلیل ۔ ناشر ۔ سراج الحق ۔ مقام اشاعت ۔ ۲۵/بی گلبرگ ۲ لاہور ۔ پرنٹر شیخ محمد اشرف ۔ مطبوعہ ۔ اشرف پریس ۔ ایبٹ روڈ ۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

لمعات

زیرِ نظر شمارہ کے لمعات محترم پرویز صاحب کے رشحاتِ قلم کی نذر ہیں ـــ (مدیر)

طریقِ کار

(پرویز)

ذیل کا خط ملاحظہ فرمائیے :-

مکرمی و محترمی جناب پرویز صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کی کتاب "Islam: A Challenge to Religion" پر "پاکستان ٹائمز" میں ریویو اور اس کے بعد اس پر ایک خط ۲۵ اکتوبر ۱۹۶۹ء نظر سے گزرا۔ واقعہ یہ ہے کہ ہر سوچنے والے شخص کے سامنے یہی سوال ہے کہ

The only thing which is missing from it is the methodology of bringing into being the "Rabubiyat Order" which forms the core of Mr. Parvez's social and political philosophy.

ذہن یہ باور ہی نہیں کرتا کہ آپ جو اتنے عرصے سے اس راہ کے مسافر ہیں اس کے جواب سے معذور ہوں۔ آپ کے پاس یقیناً اس کا جواب ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ جواب اُس منزل سے پہلے ظاہر کر دیا جائے جس میں وہ جواب عمل میں لایا جا سکتا ہے۔ لیکن جو لوگ آپ کی طرح اِس راہ پر چل

رہے ہیں اور اسی جگہ پہنچ گئے جہاں یہ سوال اُنکے ذہن میں بھی پیدا ہوگیا ہے (جیسے رستم الحروف اور اس کے چند ساتھی)۔ اُن سے اِس جواب کو "چھپا کر رکھنا" بھی ایک قسم کا بخل ہے جس کے آپ مرتکب نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ازراہِ کرم مکمل طور پر یا چند سطور میں بطور خلّص چند اشارات کی شکل میں رستم الحروف کو لکھ بھیجیں تو بندہ نوازی سے بعید نہیں ہوگا۔ اللہ تعالےٰ آپ کو بیش از پیش علم و حکمت قرآنی سے نوازے۔ فقط والسلام!

جیسے اس مضمون کے خطوط، کئی ایک دیگر احباب کیطرف سے بھی موصول ہوئے ہیں۔ اس بنا پر (نیز مسئلہ کی اہمیت کا بھی یہی تقاضا تھا) میں نے مناسب سمجھا ہے کہ ان احباب کو فرداً فرداً جواب دینے کے بجائے 'طلوعِ اسلام' کی وساطت سے، اس مسئلہ کی وضاحت کر دی جائے۔

میں سب سے پہلے محترم مفسر کی خدمت میں عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں، کہ بات یہ نہیں کہ میں اس اہم سوال کے جواب کو اس منزل سے پہلے ظاہر نہیں کرنا چاہتا جس میں وہ جواب عمل میں لایا جا سکتا ہو۔ میں نے جس مقصد کو اپنی زندگی کا مشن قرار دے رکھا ہے، اس میں کوئی راز ایسا نہیں جسے کسی خاص وقت تک کے لئے پوشیدہ رکھنا ضروری ہے ـــــ بلکہ یوں کہیئے کہ اس میں راز کوئی بھی نہیں۔ اس میں تو کیفیت یہ ہے کہ ـــ سخنے نگفتہ را چہ قلندرانہ گفتم ـــ اس قسم کی مصلحت کوشیاں عملی سیاست کے میدان کے نبرد آزماؤں کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ اور میں نے نہ اس میدان میں قدم رکھا ہے، نہ قدم رکھنے کا ارادہ ہے۔ اس لئے ہر چہ گویم قلندرانہ گویم۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک!

جہاں تک میری کتاب پر تبصرہ کے ضمن میں ان ریمارکس کا تعلق ہے جنہیں مندرجہ بالا خط میں دہرایا گیا ہے، میں (محترم تبصرہ نگار سے معذرت کے ساتھ) جرأتِ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ان کے یہ ریمارکس بے محل تھے۔ میری کتاب کا موضوع یہ ہے کہ اسلام، ایک دین ہے، مذہب نہیں، اور جب تک اسے مذاہبِ عالم کے زمرے سے الگ نہیں کیا جاتا، نہ اسکی حقیقت سمجھ میں آسکتی ہے، نہ اس کا مقصود و منتہیٰ۔ کتاب کا بیشتر حصہ مذہب اور دین کے بنیادی فرق کی وضاحت پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد میں نے مثبت طور پر بتایا ہے کہ قرآن کریم جس دین (یعنی نظامِ حیات) کو پیش کرتا ہے، اس کے اصولی خط و خال کیا ہیں، اور وہ دیگر نظامہائے حیات سے کس طرح مختلف اور متمیز ہے۔ کتاب کی ساری بحث فکری ہے اور وہ اسلام کا صحیح تصور پیش کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی کتاب کے سلسلہ میں یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ اس میں اس نظام کو پاکستان میں عملاً متشکل کرنے یا نافذ کرنے کا طریقہ کیوں نہیں بتایا گیا۔

اس حقیقت سے ہر صاحبِ نظر واقف ہے کہ فکری راہ نمائی اور عملی طریق کار دو الگ الگ شعبے ہیں،

قرآن کریم کا ایک ادنیٰ سا طالب العلم ہوں۔ اور اپنی فکری راہ نمائی اسی سرچشمۂ ہدایت سے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ قرآنی راہ نمائی زندگی کی مستقل اقدار اور اصولی حدود کی شکل میں ملتی ہے۔ یہ اقدار اور حدود غیر متبدل ہیں۔ قرآن وہ طریقے متعین نہیں کرتا جن کے مطابق ان اقدار و اصول کو ایک نظام یا معاشرہ کے محسوس پیکر میں منتقل کیا جائے گا۔ یہ طریقے حالات کے تقاضے کے مطابق، ہر دور (بلکہ ایک ہی دور کے مختلف اوقات) میں مختلف ہوں گے۔ اور عند الضرورت ان میں تغیر و تبدل ہوتا رہیگا۔ یہ وجہ ہے کہ قرآن نے ان طریقوں کو خود متعین نہیں کیا۔ یہ جو ہمارے ہاں، اسلامی نظام کے سمجھنے کے سلسلہ میں اس قدر الجھنیں پیدا ہو رہی ہیں، تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لوگوں نے، ان طریقوں کو بھی جو کسی زمانے میں، اُس وقت کی ضروریات کے مطابق، حصولِ مقصد کے لئے وضع اور اختیار کئے گئے تھے، قرآنی اصول و اقدار کی طرح غیر متبدل اور ابدی سمجھ رکھا ہے۔ وہ طریقے، اب زمانے کے بدلے ہوئے تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکتے، اور ہمارا قدامت پرست طبقہ ان میں کسی قسم کی تبدیلی کو خلافِ اسلام قرار دے دیتا ہے نتیجہ یہ ہے کہ خود اسلام کے متعلق یہ خیال عام ہو رہا ہے کہ یہ کسی زمانے میں تو خوشگوار نتائج پیدا کر گیا تھا لیکن اب اس میں زمانے کے بڑھتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ دینے کی صلاحیت نہیں، لہٰذا، ہمیں اس کے ساتھ چمٹے نہیں رہنا چاہیئے۔ ایک قرآنی مفکر اس قسم کی غلطی نہیں کرتا۔ (یا یوں کہیئے کہ اسے ایسی غلطی نہیں کرنی چاہیئے۔) وہ اپنے دور کے مسائل پر غور کرتا اور انکے متعلق جو قرآنی راہ نمائی ملتی ہے اسے فکری انداز سے قوم کے سامنے پیش کر دیتا ہے اور طریق کار ان لوگوں کے لئے چھوڑ دیتا ہے جو اس راہ نمائی کے مطابق عملی عمارت استوار کرنا چاہیں۔ البتہ وہ اس باب میں اتنی احتیاط ضرور برتتا ہے کہ یہ دیکھے کہ جو عملی طریق اختیار کیا جائے وہ قرآن کے کسی اصول سے نہ ٹکرائے۔

یہ ہے وہ بنیادی حقیقت جسے نظر انداز کر دینے کا نتیجہ وہ اعتراض ہے جسے محترم تبصرہ نگار نے میری کتاب پر بھی وارد کیا ہے اور (دوسرے مقام پر) علامہ اقبالؒ پر بھی۔ ان کے متعلق بھی انہوں نے کہا ہے کہ اقبالؒ نے اپنے آپ کو فکری مباحث تک محدود رکھا اور حصولِ مقصد کے لئے عملی طریق کار تجویز نہ کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ اقبالؒ کی دیدہ وری اور دور نگہی تھی جو انہوں نے ایک مفکر کے صحیح مقام اور منصب کو سمجھ لیا اور عملی طریق کار کو اس مرد سیاست داں کے سپرد کر دیا جس کی فراست اور دیانت پر انہیں اعتماد تھا۔ انہوں نے اپنے کلام میں ایک آدھ مرتبہ عملی طریق تجویز کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اربابِ نظر سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ اس میں وہ اس مقام تک نہ پہنچ سکے جو بحیثیت مفکر انہیں حاصل تھا۔ اور اسی لئے انہوں نے پھر اسکی کوشش نہیں کی۔ کلام اقبالؒ میں، ان کی مثنوی —

--- پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق --- کو ایک خاص مقام حاصل ہے --- بہت بلند مقام --- اس مثنوی کے نام سے (جو ان کا اپنا تجویز کردہ ہے) واضح ہوتا ہے کہ اس وقت انہوں نے عملی طریقِ کار کے تعین کی اہمیت کو محسوس کیا تھا لیکن اس باب میں جو کچھ انہوں نے کہا وہ اس حقیقت کا غماز ہے کہ وہ ان کی آزادانہ فکری تخلیق نہیں تھا، ماحول کے اثرات کا نتیجہ تھا اور اسی لئے اسے چنداں اہمیت حاصل نہ ہو سکی۔ اُس زمانے میں مسٹر گاندھی کی سودیشی تحریک کا عام چرچا تھا۔ چنانچہ اقبالؒ نے بھی اپنی قوم سے کہا تو یہی کہ

آنچہ از خاکِ تو رُست اے مردِ حُر
آں فروش و آں بپوش و آں بخور
آں نکو بیناں کہ خود را دیدہ اند
خود گلیم خویش را بافیدہ اند

اور تاریخ اس پر شاہد ہے کہ (اقبالؒ کو اپنا فکری مرشد تسلیم کرنے کے باوجود) قائداعظم کی عملی سیاست کی نگہِ نتائج شناس نے طریقِ کار کے اس مشورہ کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا، اور نہ ہی اقبالؒ نے اس پر زور دیا --- قائداعظم تو ایک طرف، خود مسٹر گاندھی نے دو ہی قدم آگے جا کر اس طریق کو گردِ کارواں کی طرح پیچھے چھوڑ دیا تھا حتیٰ کہ اہمسا (عدم تشدد) کو بھی جو اس کے نزدیک اس کے دھرم کا جزو تھا --- عملی سیاست کے تقاضے ایسے ہی ہوتے ہیں۔

اب آئیے ہم دیکھیں کہ قرآنی نظامِ ربوبیت جب صدرِ اول میں، پہلی بار عملاً متشکل ہوا تھا تو اس کی صورت کیا تھی، لیکن اس سے پہلے، چند الفاظ میں اسے سمجھ لیجئے کہ اس نظام کی عمارت کس بنیاد پر استوار ہوئی تھی۔ (اور استوار ہوگی)۔ وہ سنگِ تاسیس یہ تھا۔ کہ

> ہر شخص اپنی صلاحیت کے مطابق، مفوضہ امور کو نہایت محنت اور جانفشانی سے سرانجام دے، اور اس کے ماحصل میں سے بقدر اپنی ضروریات کے لیکر، باقی سب دوسروں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے دیدے۔ بلکہ بعض حالات میں دوسروں کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر مقدم رکھے۔ اور اس کا نہ کسی سے اجر مانگے نہ معاوضہ حتیٰ کہ کسی سے شکریہ تک کا بھی متمنی نہ ہو۔

یہ تھا اس نظام کا سنگِ بنیاد جو اسلام کا مطمعِ نظر تھا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ یہ تصور نہ صرف اس نظامِ سرمایہ داری کے خلاف تھا جو اس زمانے میں عام تھا، بلکہ خود انسان کی طبیعی زندگی کے جبلی تقاضا (INSTINCT) کے

بھی خلاف۔ انسان کی طبیعی زندگی کا جبلی تقاضا مفادِ خویش کا تحفظ ہے۔ اسے کسی دوسرے کے مفاد کی کوئی فکر اور پرواہ نہیں ہوتی۔ اس لئے جو تقاضا قرآنی نظام کا سنگِ بنیاد قرار پاتا ہے، وہ اسے اس کے جبلی تقاضوں سے بلند لے جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ (حیوانی سطح پر زندگی بسر کرنے والے) عام انسانوں کے بس کی بات نہیں۔ اس کے لئے خاص انداز کے انسان کی ضرورت ہے۔ اور انسانیت سازی درحقیقت قرآنی تعلیم کا مقصود ہے۔ اسی داخلی انقلاب سے وہ جذبۂ محرکہ پیدا ہوتا ہے جس سے انسان اتنے بڑے ایثار کے لئے بطیبِ خاطر تیار ہو سکتا ہے۔ اس نظام کی تشکیل کے لئے جب نبی اکرمؐ نے اپنی دعوت کا آغاز کیا تو اس وقت (حضورؐ کے سوا) دنیا میں کوئی مسلمان نہیں تھا۔ آپؐ نے اس نظامِ نو کے اصول و اقدار اپنی قوم کے سامنے پیش کئے اور پیش کرتے چلے گئے۔ قوم نے اس دعوت کی مخالفت کی لیکن ان میں ایسے افراد بھی تھے جنہوں نے اس پُرسکون و اطمینان سے غور و فکر کیا اور اس کے بعد جب وہ اس کی صداقت کے متعلق دل اور دماغ کی کامل رضامندی سے مطمئن ہو گئے تو انہوں نے اسے قبول کرنے کا اقرار کیا اور اس طرح اس سوسائٹی کے ممبر بن گئے جس کی طرف حضورؐ دعوت دیتے تھے۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اس زمانے میں وہی لوگ مسلمان کہلاتے تھے جو اپنے قلب و دماغ کے پورے اطمینان کے ساتھ، اس نظام کی صداقت کے قائل ہو چکے تھے۔

جو لوگ اس طرح اس سوسائٹی کے ممبر بنتے تھے ان کی تعلیم و تربیت کا خصوصی انتظام خود نبی اکرمؐ فرماتے تھے۔ قرآن کریم نے جو حضورؐ کی یہ خصوصیتِ کبریٰ بیان کی ہے کہ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ۔ تو وہ اسی حقیقت کی وضاحت کرتی ہے۔ یعنی حضورؐ انہیں اس نظام کے قوانین و ضوابط کی تعلیم دیتے تھے۔ اس کی حکمت و غایت سے آگاہ کرتے تھے اور اس طرح ان کی انسانی صلاحیتوں کی نشوونما کرتے چلے جاتے تھے۔ "صلاحیتوں کی اس نشوونما" سے مراد صرف ذہنی صلاحیتیں نہیں، اس سے مفہوم ان صلاحیتوں کی نشوونما تھا بھی ہے جن کی بنیادوں پر انسانی سیرت و کردار کی بلند و بالا عمارت استوار ہوتی ہے۔ اسے انسانی ذات کی نشوونما کہا جاتا ہے۔ اسی سے ابنِ آدمؑ حیوانی سطح سے بلند ہو کر انسانی سطح پر زندگی بسر کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ اور یہی چیز جذبۂ محرکہ بنتی ہے اس عظیم ایثار کا جس پر اس نظام کی عمارت استوار ہوتی ہے۔ جب ان میں سیرت و کردار کی اس قسم کی پاکیزگی اور پختگی پیدا ہو جاتی تھی تو ان سے ایک عہد لیا جاتا تھا جو درحقیقت اسلامی نظامِ ربوبیت کی اصل و اساس ہے۔ یعنی یہ عہد کہ

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ

لَهُمُ الْجَنَّةَ - (۹/۱۱۱)

یہ حقیقت ہے (یونہی ذہنی عقیدت مندی نہیں) کہ مومنین نے اپنا مال اور اپنی جان خدا کے ہاتھوں فروخت کر دیئے ہیں۔ اور خدا نے انہیں جنّت کے عوض خرید لیا ہے۔

اسی جماعت کے افراد کو مومن کہا جاتا تھا۔ یعنی وہ لوگ

(۱) جنہوں نے سوچ سمجھ اور دیکھ بھال کر، برضا و رغبت، اس نظام کی صداقت کو قبول کیا۔

(۲) ان کی تعلیم و تربیت خود رسولؐ اللہ نے فرمائی۔ اور اس طرح اُن کے قلب و نگاہ میں قرآنی اقدار کے مطابق انقلاب پیدا ہوتا چلا گیا۔ اور

(۳) انہوں نے اپنی جان اور مال اسی نظام کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

رسولؐ اللہ کی مکّی زندگی پوری کی پوری اسی عملِ تزمیل[1] (جماعت سازی) میں بسر ہو گئی اور تیرہ سال کے عرصہ میں جو افراد اس سوسائٹی کے رکن بنے ان کی تعداد چند سو سے زیادہ نہ تھی۔ اگر ہم اپنے اندازوں کے مطابق ماپیں تو یہ پروگرام بڑا سست خرام دکھائی دے گا۔ آپ غور کیجئے۔ کہ حضورؐ کی عمرِ رسالت صرف تئیس سال تھی۔ اور آپ کا عہدِ رسالت قیامت تک کے عرصہ کو محیط تھا۔ اس اعتبار سے حضورؐ کی حیاتِ طیبہ کا ایک ایک سانس صدیوں پر بھاری تھا۔ اس تئیس سال کے گراں بہا عرصہ میں سے تیرہ سال کی مدت ابتدائی عملِ تزمیل میں صرف ہو گئی اور اس کا ماحصل چند سو افراد سے آگے نہ بڑھا۔ اور حضورؐ کی طرف سے یہ سب کچھ نہایت سکون و سکوت کیساتھ ہوا۔ جو حضرات، بنیادی نظریات کی تبلیغ و تعلیم کے مرحلہ کو "بے عملی" سے تعبیر کرتے ہیں، اور عمل کا تصور ان کے ہاں ہنگامہ خیزی اور شورش انگیزی ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک حضورؐ کی یہ تیرہ سالہ زندگی تو "بے عملی" کا دور کہلائے گی!

اس جماعتِ مومنین کی مکّی زندگی ایک اور اہم حقیقت کی بھی پردہ کشا ہے۔ لوٹ مار، جنگ و جدال، فتنہ و فساد، عربوں کی گھٹی میں پڑا تھا، اور اس جماعتِ نو کے افراد انہی عربوں میں سے تھے۔ اس تیرہ سال کے عرصہ میں اس جماعت کے افراد پر ہر قسم کے مظالم ہوتے۔ انہیں ناقابلِ برداشت تکالیف اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن ان میں سے کسی نے نہ کسی قسم کا دنگا فساد کیا، نہ لڑائی جھگڑا۔ نہ کسی کو

---

[1] رسولؐ اللہ کو اسی جہت سے قرآن میں المزمّل کہا گیا ہے یعنی وہ جو رفقائے سفر کے انتخاب میں انتہائی کاوش و احتیاط سے کام لے۔

لوٹا نہ کھسوٹا۔ نہ کہیں ہتھراؤ کیا نہ گھیراؤ۔ حتیٰ کہ نہ کہیں جھوٹ بولا نہ کسی کو فریب دیا۔ نہ کسی سے بدمعاملگی کی، نہ کسی قسم کی عہد شکنی۔ تکلیفیں برداشت کرتے رہے۔ مصیبتیں اٹھاتے رہے لیکن فریق مقابل کیخلاف نہ جھوٹا پراپیگنڈہ کیا، نہ کسی قسم کی غلط بیانی سے کام لیا۔ نہ کوئی سازش کی، نہ زمین دوز تحریک چلائی۔ جو کچھ کہا کھلے بندوں کہا۔ جو کچھ کیا علی الاعلان کیا۔ اپنے کام سے کام رکھا۔ اور جب دیکھا کہ مکہ کے مقابلہ میں مدینہ کی فضا، اس نظام کے قیام کے لئے زیادہ سازگار ہے تو نہایت خاموشی سے ہجرت کر کے وہاں چلے گئے اور جاتے وقت بھی نہ کسی کو کسی قسم کا دھوکا دیا، نہ خیانت کی۔

مدینہ گئے تو وہاں کسی سے حکومت نہیں چھینی۔ نہ ہی ایسا ہوا کہ کوئی بنی بنائی حکومت کسی نے ان کے حوالے کر دی ہو۔ وہاں انہوں نے اپنی مملکت قائم کی ــــ "مملکت قائم کی" کے الفاظ ذرا وضاحت طلب ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ مملکت قائم کس طرح سے کی گئی تھی۔ اس کے لئے طریق کار کیا اختیار کیا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں قرآن پھر ایک اصول بیان کرتا ہے، اور وہ اصول ایسا جامع ہے جس میں تمام تفاصیل خود بخود سمٹ کر آجاتی ہیں۔ سورۃ النور میں ہے۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ۔ (۲۴/۵۵) یعنی یہ مملکت نہ کسی سے چھین جھپٹ کر لی گئی تھی نہ کسی نے بطور بخشائش ہبہ کر دی تھی۔ یہ فطری نتیجہ تھا ان کے ایمان اور اعمالِ صالحہ کا ــ ایمان ــــ یعنی اپنے نصب العین کی صداقت پر یقینِ محکم۔ اور اعمالِ صالحہ ــــ قرآنی اقتدار و اصول کے اندر رہتے ہوئے، موقعہ اور محل کیمطابق مناسب اقدامات۔ (واضح رہے کہ قرآن نے "اعمالِ صالحہ" پر اتنا زور دیا ہے لیکن ان اعمال کی کوئی جامع و مانع فہرست مرتب کر کے نہیں دی۔ حتیٰ کہ اس نے "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کو جماعتِ مومنین اور مملکتِ اسلامیہ کا بنیادی فریضہ قرار دیا ہے لیکن (بجز چند احکام) معروف و منکر کی تفاصیل بھی خود متعین نہیں کیں)۔

جب یہ جماعت صاحبِ اقتدار ہو گئی۔ یعنی وسائل رزق ان کے قبضہ میں آ گئے تو معاشرہ میں نظامِ ربوبیت خود بخود نافذ ہو گیا۔ بالفاظِ دیگر یوں کہیئے کہ یہ کاروان، مختلف وادیوں میں سے گزرنے کے بعد اپنی منزلِ مقصود تک جا پہنچا۔ اُس وقت نہ کسی نے یہ سوال اٹھایا کہ مملکت تو مل گئی ہے، اب اس میں کس قسم کا نظام قائم کیا جائے۔ نہ یہ تنازعہ پیدا ہوا کہ فلاں قسم کا معاشی نظام اسلامی ہے یا غیر اسلامی ــــ انہوں نے چلنے سے پہلے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ ہم نے پہنچنا کہاں ہے۔ اسلئے منزل پر پہنچنے کے بعد کسی کے دل میں یہ سوال نہ ابھرا کہ یہ ہماری منزلِ مقصود ہے یا نہیں۔ ان میں سے ہر فرد جو اس سوسائٹی کا ممبر بنا تھا، سب کچھ دیکھ بھال، سوچ سمجھ کر ممبر بنا تھا۔ ان میں سے ہر ایک کو معلوم تھا ــــ اور حتمی اور یقینی طور

پر معلوم، کہ اس سوسائٹی کا مقصود و منتہیٰ کیا ہے اور اس مقصد کے حصول کیلئے ہمارا فریضہ کیا۔ یہ افراد اُس سوسائٹی کا ممبر بننے کے بعد اپنے آپ کو اُس مقصد کے حصول کے لئے تیار کرنے، اور اس کے اہل بننے میں مصروف رہے۔ جب انہوں نے اپنے اندر اس کی اہلیت پیدا کر لی تو مقصد حاصل ہو گیا، یعنی اسلامی نظام قائم ہو گیا۔ اس کے بعد یہ لوگ اس نظام کے استحکام و فروغ اور اندرونی اور بیرونی خطرات سے اس کی حفاظت و مدافعت کے لئے مصروفِ جد وجہد رہے۔ یہ ہے وہ طریق جس کے مطابق صدرِ اول میں یہ نظام قائم ہوا۔ یعنی اس نظام کے اصول و اقدار کو بہ دلائل و براہین دوسروں کے ذہن اور دل نشین کرانا، اور جو اس طرح ان کی صداقت تسلیم کر لیں، مناسب تعلیم و تربیت سے ان کی انسانی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا یہی ہے وہ پروگرام جسے میں نے شروع میں انسانیت سازی سے تعبیر کیا ہے۔

(۰)

اب آپ تاریخ کے اوراق کو چودہ سو سال آگے الٹ کر، پاکستان کی طرف آجائیے۔ یہاں ایک ایسی قوم بستی ہے جو مسلمان کے نام سے متعارف تو ہے لیکن

(۱) ان میں سے نہ کسی نے، اسلام کو سوچ سمجھ کر اور دیکھ بھال کر دل اور دماغ کے کامل اطمینان کے ساتھ، بطیبِ خاطر اختیار کیا ہے،

(۲) نہ ہی ان کے سامنے اسلام کا کوئی واضح اور متعین مفہوم ہے۔

(۳) نہ ہی انہیں حتمی طور پر معلوم ہے کہ اسلامی نظام کسے کہتے ہیں اور اس کا مقصود و منتہیٰ کیا ہے۔ اور جو اسلام ان کے ہاں مروج ہے۔ وہ وہ مذہب ہے جو انفرادی اور گروہی مفادات کے تحفظ کے لئے ہمارے دورِ ملوکیت میں وضع کیا گیا۔

(۴) نہ ہی (صدرِ اول کے مسلمانوں کی طرح) ان کی تعلیم و تربیت کا کوئی انتظام ہوا ہے۔

(۵) نہ ہی انہوں نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے، اپنی جان اور مال کو کسی کے ہاتھ فروخت کر دینے کا معاہدہ کیا ہے۔ اور

(۶) نہ ہی یہ مملکت انہیں ان کے ایمان و اعمالِ صالح کے نتیجہ میں ملی ہے۔

یہاں حالت یہ ہے کہ:-

(۱) یہ قوم، متفق علیہ طور پر اتنا بھی نہیں بتا سکتی کہ مسلمان کہتے کسے ہیں۔

(۲) کوئی معاملہ پیش آئے۔ ایک گروہ اسے اسلامی قرار دیتا ہے اور دوسرا غیر اسلامی۔ کوئی اسے جائز ٹھہراتا ہے کوئی ناجائز۔ ذرا ذرا سی بات پر ان میں باہمی سر پھٹول ہوتی ہے۔ ان کی بیویوں پر طلاق

پڑتی ہے، ان پر کفر کے فتوے صادر ہوتے ہیں۔ اور کوئی اتھارٹی ایسی نہیں جسے متنازعہ فیہ معاملات میں حکم تسلیم کیا جاتا ہو۔

اور تماشہ یہ کہ کوئی اس باب میں (SERIOUS) نہیں کہ اس راہ گم کردہ قافلہ کے لئے منزل کا تعین اور راستے کی وضاحت کی جائے۔ ایک طرف، حکومتیں آتی رہیں اور جاتی رہیں اور ان میں سے ہر ایک کی کوشش یہ رہی کہ مملکت کا نام اسلامی رکھ کر، اور آئین میں یہ شق داخل کرکے کہ ملک کا کوئی قانون اسلام (یا کتاب و سنت) کے خلاف نہیں ہوگا، مُلّا سے جان چھڑاؤ اور عوام میں سستی شہرت حاصل کرو۔ دوسری طرف ارباب مذہب کی یہ کیفیت کہ ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اسلام کے لفظ کو اپنی مفاد پرستیوں کے لئے سپر بنا رکھا ہے، اور کچھ وہ جو "مذہبی علوم" سے تو واقف ہیں لیکن اسلام کی حقیقت سے قطعاً ناآشنا ہیں، اور نہ خود جہالت کی اس تاریکی سے نکلنا چاہتے ہیں، نہ اپنے معتقدین کو نکلنے دینا چاہتے ہیں۔ ان کے بعد یہاں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو (مذکورہ بالا حالات سے متاثر ہوکر) اس نتیجہ پر پہنچ چکا ہے کہ اسلام ایک چلا ہوا کارتوس ہے۔ اب یہ ہمارے کسی کام نہیں آسکتا۔ یہ گروہ دل میں تو اس کا قائل ہے، لیکن معاشرتی دباؤ کے ماتحت اپنے اس عقیدہ کو اعلانیہ زبان تک لانے کی جرأت نہیں کرتا — یہ حضرات ڈرائنگ روم میں بیٹھے گھنٹوں ان خیالات کا اظہار کرتے رہتے ہیں اور اس کے بعد اُٹھ کر سیدھے "داتا صاحب" پہنچ جاتے ہیں۔

یہ ہے یہاں کی مسلمان قوم، اور یہ ہیں اس قوم اور ملک کے حالات! اور اس کے بعد مجھ سے پوچھا جاتا ہے کہ (تم نے قرآن پر غور و فکر کیا ہے) تم بتاؤ کہ (اس قوم میں کسی قسم کی تبدیلی کئے بغیر) یہاں قرآن کا معاشی نظام (نظامِ ربوبیت) کس طرح نافذ کیا جائے؟

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا!

اگر کسی نے پوچھنا ہے تو یہ پوچھے کہ (اقبال کے الفاظ میں) اس "مسلمانِ نامسلمانے"[1] کو "مسلمان" کس طرح بنایا جائے تاکہ اس کے بعد یہاں کا معاشرہ قرآنی معاشرہ میں بدل جائے، اور موجودہ غلط معاشی نظام کی جگہ نظامِ ربوبیت آجائے۔ نظامِ ربوبیت، کوئی خودکار مشین نہیں جسے کہیں سے امپورٹ کرکے یہاں نصب کردیا جائے اور سوئچ دبا دینے سے وہ چلنے لگ جائے۔ نظامِ ربوبیت، دل کی گہرائیوں سے ابھرنے والی امنگوں کے محسوس پیکر کا نام ہے، اور یہ کسی ایسی قوم میں نفاذ پذیر نہیں ہوسکتا جس کے اعماقِ قلب میں اس قسم کی تبدیلی نہ پیدا ہوتی ہو۔ ہم تو نسلی مسلمان ہیں۔ جو بدو، اسلامی مملکت کے قیام کے بعد (دل کی تبدیلی

---

[1] چہ گویمت زمسلمانِ نامسلمانے ٭ جزایں کہ پورِ خلیل است و آذری داند!

کے بغیر کسی اور تقاضا سے) حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے تھے، قرآن نے ان کے متعلق کہہ دیا تھا کہ — قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا — یہ بدو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ قُلْ۔ ان سے کہہ دو۔ لَمْ تُؤْمِنُوْا۔ تم ایمان نہیں لائے۔ اسلئے ایسا مت کہو۔ وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا — تم صرف یہ کہو کہ ہم اس نظام کے سامنے جھک گئے ہیں۔ اسلئے کہ وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ۔ ایمان ہنوز تمہارے دل کی گہرائیوں میں نہیں اترا۔ اس کے بعد جب تمہاری مناسب تعلیم و تربیت ہو جائے گی، اور تم اپنے دل کی کامل رضامندی سے اس نظام کی اطاعت کرو گے تو پھر تمہارے اندر وہ تبدیلی پیدا ہو جائے گی جسے ایمان کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ (۴۹/۱۴)

آگے بڑھنے سے پہلے میں اس حقیقت کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ ہم مسلمان، اگر قلب و نگاہ کی تبدیلی سے مسلمان نہیں ہوئے، تو اس کے یہ معنی نہیں کہ میں موجودہ مسلمانوں کی قومی (اجتماعی) زندگی کو بیکار سمجھتا ہوں۔ بالکل نہیں۔ جب کوئی قوم، اقتدار (یا آئیڈیالوجی) کے اشتراک کی بنا پر اپنی اجتماعیت سے محروم ہو جائے لیکن وہ اس کے باوجود انفرادی زندگی کے بجائے اجتماعی زندگی بسر کرنا چاہے، تو اسکے لئے اس کے سوا چارہ نہیں ہوتا کہ وہ اپنی وجہِ تعارف کو اپنی اجتماعیت کی بنیاد قرار دے لے، اور اس طرح اپنے افراد کو تنکوں کی طرح منتشر ہونے سے بچا لے۔ اس قسم کی اجتماعی زندگی، انفرادی زندگی سے بہرحال بہتر ہوتی ہے بشرطیکہ اس سے، دوسروں کے خلاف نفرت کے جذبات اور سلبِ نہب کی ہوس نہ ابھرے۔ میں نے تقسیم ہند سے پہلے، مسلمانوں کی ہئیت اجتماعیہ کے برقرار رکھنے اور اسے مستحکم کرنے کے لئے (اپنی بساط کے مطابق) جو کچھ کیا اس کا جذبہ محرکہ یہ تھا کہ قوم کی اس ہئیت کو بہرحال قائم رکھا جائے تاکہ اس اجتماعیت سے اگر ہمیں ایک آزاد خطۂ زمین حاصل ہو جائے تو اس میں قرآنی نظام کے قیام کا امکان ہو۔ ہندوستان کا ایک جزو رہتے ہوئے اس کا کوئی امکان ہی نہیں تھا۔

اور تقسیم ہند کے بعد، میں نے اس امکان کو مشہود بنانے کے لئے جدوجہد شروع کر دی۔ اس کے لئے کرنے کا کام یہ تھا کہ (جیسا کہ میں نے اوپر کہا ہے) اس "مسلمانِ نامسلمانہ" کو مسلمان بنا دیا جائے — وہ مسلمان جس کے متعلق اقبالؒ نے کہا تھا کہ

"زبان نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں!

میں نے اس کے لئے، سنتِ رسول اللہؐ کے اتباع میں طریقہ وہی اختیار کیا جسے حضورؐ نے اپنی دعوت کے آغاز میں اختیار فرمایا تھا۔ یعنی میں نے

(۱) سب سے پہلے، اپنی قوم سے کہا کہ ہمارا مروجہ اسلام، دین نہیں رہا، مذہب میں تبدیل ہو چکا ہے۔ اسے جب تک دین میں تبدیل نہ کیا جائے گا، مطلوبہ نتائج حاصل نہ ہوں گے۔ میں نے گذشتہ بیس بائیس سال میں جو ہزارہا صفحات لکھے ہیں، تقریریں کی ہیں، درس دیئے ہیں، وہ سب اسی مقصد کے لئے تھے۔ میں نے پہلے دین اور مذہب میں فرق کر کے بتایا، اور پھر مثبت طور پر دین کا قرآنی تصور قوم کے سامنے پیش کیا۔ اس کے ساتھ ہی جو اہم معاملہ قوم کے سامنے آیا، اس کے متعلق وضاحت سے بتایا کہ قرآن اس باب میں کیا راہ نمائی دیتا ہے۔

(۲) میں نے اربابِ بست وکشاد اور اصحابِ فکر و نظر سے کہا کہ موجودہ مسلمانوں سے (جیسے کچھ بھی ہم ہیں) مملکتِ پاکستان کو محفوظ رکھنے اور مستحکم بنانے کا کام لیا جائے، لیکن ہماری نئی نسلوں کی تعلیم و تربیت کا ایسا انتظام کیا جائے جس سے ان کے قلب و نگاہ میں وہ تبدیلی پیدا ہو جائے جسے ایمان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ ہوگی وہ قوم جسے صحیح معنوں میں "ملتِ اسلامیہ" کہہ کر پکارا جائے گا۔ اس ملت کے وجود میں آجانے سے، اسلامی معاشرہ وجود میں آجائیگا اور انہی کے قلوب سے ابھرنیوالی امنگوں سے نظامِ ربوبیت قائم ہوگا۔ اس کے لئے عملی طریق کیا اختیار کیا جائے گا، اسے، وہ ملت، اس وقت کے حالات کے مطابق، خود طے کر لیگی۔

یہ ہے اسلامی نظام قائم کرنے کا وہ طریقہ جسے میں اپنی قرآنی بصیرت کے مطابق سمجھ سکا ہوں، اور جسے منہاجِ رسالت پر تدبر و تفکر کے بعد میں نے (اپنی استعداد کے مطابق) اختیار کر رکھا ہے، اس فرق کے ساتھ کہ حضورؐ نے تبلیغ دین کے ساتھ، ایک الگ جماعت (امت) کی تشکیل بھی فرمائی تھی، اور میں نے الگ جماعت سازی سے سخت اجتناب کیا ہے، اور اپنے آپ کو صرف ایک مبلّغ کی حیثیت تک محدود رکھا ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے۔ ایک رسولؐ، اپنے پیغام کے نہ ماننے والوں کو کافر قرار دیتا ہے۔ اور جو لوگ اس پیغام کی صداقت کو قبول کر لیتے ہیں، انہیں، ان کفار سے الگ کر کے، ایک متمیز امت کی تشکیل کرتا ہے لیکن میں تو پوری کی پوری امتِ محمدیہ کو، دنیا کے جملہ غیر مسلموں (کفار) کے مقابلہ میں، ایک جماعت سمجھتا ہوں، اس لئے اس امت کے اندر، کافر و مسلم کی تفریق کا تصور بھی میرے نزدیک معصیتِ کبریٰ اور جرمِ عظیم ہے۔ امتِ محمدیہ کے اندر کافر و مسلم کی تفریق تو ایک طرف، قرآنِ کریم، اس امت کے اندر فرقہ بندی کو بھی شرک قرار دیتا ہے (۳۰/۳۱) اور رسولؐ اللہ سے کہتا ہے کہ ایسا کرنے والوں کے ساتھ تمہارا کوئی تعلق نہیں رہیگا (۶/۱۶۰) اسلئے میں ایک الگ جماعت بنانے کی جرأت کیسے کر سکتا ہوں۔ میں دین کے متعلق قرآنی تصورات کو عام کئے جا رہا ہوں اور جو لوگ ان تصورات سے متفق ہو جاتے

ہیں، ان سے کہتا ہوں کہ وہ بھی اسی طرح انہیں عام کرتے جائیں، تاکہ ہماری پوری قوم کے سامنے دین کے صحیح تصورات آجائیں۔ اسی طرح جب میں، قوم کی نئی نسل کے لئے قرآنی تعلیم و تربیت پر زور دیتا ہوں، اور اب (بالآخر) خود ایک درسگاہ قائم کرنے کی تجویز کو آگے بڑھا رہا ہوں، تو یہ بھی پوری قوم کے بچوں کے لئے کر رہا ہوں کسی خاص گروہ یا پارٹی یا کسی خاص طبقہ کے بچوں کے لئے نہیں۔ میرا منصب مسلمانوں کے سامنے اس دین کا صحیح تصور لانا ہے جس کی طرف نسبت سے وہ (اور ہم) اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ جب ان کے سامنے دین کا تصور آجائے گا اور ان کے دل دماغ میں قرآنی تبدیلی پیدا ہو جائے گی، تو وہ موجودہ غیر اسلامی نظامِ زندگی کو قرآنی نظام میں بدلنے کے لئے طریقِ کار خود تجویز کر لیں گے۔ یہ ہے میرا مشن۔

من از طریق نہ پرسم ، رفیق می جویم
کہ گفتہ اند، نخستیں رفیق پا ز طریق!

اس سلسلہ میں مجھ سے اکثر کہا جاتا ہے کہ جس منزل کی تم نے نشاندہی کی ہے اس سے تو ہم متفق ہیں، لیکن اس تک پہنچنے کے لئے جو راستہ تم تجویز کرتے ہو وہ بہت لمبا ہے اور زمانہ آج بڑی برق رفتاری سے آگے بڑھ رہا ہے۔ اس لئے یہ تو ـــ تا تریاق از عراق آوردہ شود، مار گزیدہ مردہ شود ـــ والا معاملہ ہے۔ اس کے لئے کوئی (SHORT - CUT) ہونا چاہیئے۔

یہ اعتراض (بظاہر) بڑا وزنی دکھائی دیتا ہے اور میں نے دیکھا ہے کہ اکثر عجلت پسند طبائع اس سے متأثر بھی ہو جاتی ہیں، لیکن مشکل یہ ہے کہ قرآن کریم (یا اسوۂ رسولؐ اللہ) سے مجھے کوئی (SHORT CUT) ملتا نہیں۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے، قرآن کے تجویز کردہ راستے کی لمبائی اور رفتار کی (بظاہر) سستی کا اندازہ اس سے لگ سکتا ہے کہ حضور نبی اکرمؐ کی گراں قدر عمر رسالت کا قریب ساٹھ فیصد حصہ مکی زندگی کے تبلیغی مرحلہ میں گزرا اور اس کا ماحصل چند نفوس سے زیادہ دنیا کے سامنے نہ آیا۔ اس کے بعد مدنی زندگی کا ابتدائی دور بھی، مخالفتوں کے ہجوم کے مقابلہ اور مدافعت میں گزرا۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ اس محنتِ شاقہ سے کاشت کردہ کھیتی کو اپنے سامنے برومند ہوتا دیکھنے کی آرزو خود حضورؐ کے دل میں بھی بیدار ہوتی لیکن بارگاہِ خداوندی سے جواب ملا کہ اِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (۱۳/۴۰) "جو کچھ ان لوگوں سے کہا جاتا ہے اگر اس کا کچھ حصہ تیری زندگی میں سامنے آ جائے یا تو اس سے قبل ہی وفات پا جائے تو اس سے تیرے پروگرام پر کچھ اثر نہیں پڑنا چاہیئے۔ تیرا کام یہ ہے کہ تو اس پیغام کو لوگوں تک پہنچائے چلا جا۔ یہ دیکھنا ہمارا کام ہے کہ ہمارے قانونِ مکافات کی رُو سے اس کے محسوس نتائج کب

سامنے آتے ہیں۔" آپ نے غور فرمایا کہ داعیٔ انقلاب کی اس معصوم و حسین آرزو کے باوجود، کوئی چھوٹا متبادل راستہ تجویز نہیں کر دیا گیا۔ "تبلیغ" کا وہی طول طویل پروگرام برقرار رکھا گیا اور اسی پر مستقل مزاجی سے عمل پیرا رہنے کی تاکید کی گئی۔ جب راستے کی طوالت کو حضور رسالتمآبؐ کے لئے بھی مختصر نہیں کیا گیا تو ہم آپ کس شمار میں ہیں۔ خدا کے مقرر کردہ قوانین اٹل ہیں اور ان میں کسی کی خاطر بھی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔

لہٰذا، ہمارے لئے وہی راستے ہیں۔ اگر ہم نے قرآن کی متعین کردہ منزل تک پہنچنا ہے — یعنی اپنے ہاں قرآنی نظامِ ربوبیت نافذ کرنا ہے تو اس کے لئے پروگرام بھی وہی اختیار کرنا ہوگا جسے قرآن نے تجویز کیا ہے۔ یعنی قلب و نگاہ کی تبدیلی سے "مسلمانِ نامسلمانے" کو مسلمان بنانا تاکہ وہ نظام اسکے ایمان و اعمالِ صالح کے فطری نتیجہ کے طور پر متشکل ہو سکے۔ اس راستے کو قرآن نے العقبۃ سے تعبیر کیا ہے یعنی پہاڑ کی گھاٹی پر چڑھنا — پہاڑ کی گھاٹی پر تیز قدمی سے چڑھا جا ہی نہیں سکتا۔

ویسے اگر کوئی ہنگامی طور پر قرآن کے معاشی نظام کو یہاں نافذ کرنا چاہتا ہے تو اسے حکومت قانوناً نافذ کر سکتی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ مفاد پرست گروہ اسے جبر سے تعبیر کریگا لیکن قانوناً اسے جبر نہیں کہا جا سکیگا۔ اسلئے کہ جب مسلمان، قرآن پر ایمان رکھنے کا اقرار کرتے ہیں تو قرآن کے کسی حکم کی اطاعت کو وہ جبر کس طرح کہہ سکتے ہیں؟ لیکن یہ محض ایک ہنگامی اور وقتی تدبیر ہوگی۔ اسے نہ دوام و ثبات حاصل ہو سکیگا اور نہ ہی دیانتدارانہ طور پر اس پر عمل ہوگا۔ دیانتدارانہ عمل اسی قانون پر ہو سکتا ہے جسکا تقاضا انسان کے دل سے ابھرے۔ خارج سے وارد کردہ قوانین کی اطاعت طوعاً و کرہاً ہی کی جاتی ہے اور جن لوگوں کے مفاد پر اس سے زد پڑتی ہو، وہ ہر وقت اس سے گریز کی راہیں تلاش کرنے یا تراشنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ اسے دوام و ثبات اسی صورت میں حاصل ہو سکیگا جب یہ اس قوم کے ہاتھوں متشکل ہو جس کے قلب و دماغ میں وہ تبدیلی آچکی ہو جسکا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ اور اس کیساتھ ہی وہ اس کا بھی انتظام رکھے، کہ ان کی آنیوالی نسلوں کی ذہنیت بھی قرآنی سانچوں میں ڈھلتی رہے (جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں) قرآنی نظامِ ربوبیت کی بنیادی اینٹ یہ ہے کہ

> ہر شخص اپنی صلاحیتوں کے مطابق، مفوضہ کام کو پوری پوری محنت سے سرانجام دے، اور اسکے حاصل میں سے بقدر اپنی ضروریات کے لیکر باقی سب دوسروں کی ضروریات پورا کرنے کیلئے دیدے۔ بلکہ ہنگامی اوقات میں، دوسروں کی ضروریات کو اپنی ضرورت پر ترجیح دے۔

آپ سوچئے کہ ایسا نظام جسکا سنگِ تاسیس یہ ہو، قلب و نگاہ کی تبدیلی کے بغیر کسی صورت میں قائم و دائم رہ سکتا ہے اور قلب و دماغ میں اس قسم کی تبدیلی پیدا کرنے کیلئے تو یقیناً وقت لگے گا اور اس مدت کو ہمیں ہمت اور حوصلہ سے برداشت کرنا پڑیگا۔

لیکن اگر ہم اتنے لمبے وقت کا انتظار نہیں کر سکتے، تو پھر ہمیں قرآنی منزل کو اپنے سامنے رکھنا ہی نہیں چاہیئے۔

سیدھے طور پر اپنی منزل آپ متعین کر لینی چاہیئے۔ اور اس تک پہنچنے کے راستے بھی خود ہی تجویز کر لینے چاہئیں لیکن پھر دیانتداری کا تقاضا ہے کہ ہم اس پر اسلام کا لیبل نہ لگائیں۔ میں نے ملک کے ذمہ دار حضرات سے شروع ہی میں کہا تھا کہ جب وہ اسلام، اسلام پکارتے ہیں تو انہیں چاہیئے کہ پہلے اچھی طرح سمجھ لیں کہ اس سے مراد کیا ہے۔ اس کے بعد وہ فیصلہ کریں کہ کیا اس اسلام کو نظامِ حیات بنانے کی ہم میں ہمت ہے۔ اگر ہے تو پھر کسی قسم کی مخالفت کی پرواہ کئے بغیر، اس راستے پر گامزن ہو جایئے۔ لیکن اگر وہ سمجھیں کہ اس قسم کے نظام کا قیام ان کے بس کی بات نہیں، تو وہ کھلے بندوں اس کا اقرار کر کے، دیگر اقوامِ عالم کی طرح اپنے ہاں سیکولر نظام رائج کر لیں۔ اس سے وہ اگر مقامِ مومن تک نہیں پہنچ سکینگے تو انہیں کم از کم مقامِ آدمیت تو نصیب ہو جائے گا۔ لیکن انہیں نہ اس نظام کے قیام کی ہمت ہوئی نہ اس اقرار کی جرأت۔ نتیجہ اس کا وہ منافقت ہے جو اب قوم کے بیشتر حصہ کا شعار بن چکی ہے اور جس سے ہم جہنم کے "درکِ اسفل" میں پہنچ چکے ہیں۔

شباشب انقلاب لانے کے متمنی حضرات ذرا اتنا سوچیں کہ ہمارے پیشِ نظر تو قرآنی انقلاب ہے جو مظہر ہوتا ہے افرادِ قوم کے قلبی اور ذہنی انقلاب کا۔ اگر ہم ان تحریکوں کی تاریخ پر بھی غور کریں جو معاشرہ کی کسی ایک شق میں تبدیلی پیدا کرنے کے لئے وجود میں آئی تھیں تو ہم دیکھیں گے کہ انہیں بھی اپنے نظریات کی تبلیغ اور ان کے مطابق ذہنیتوں میں تبدیلی کے لئے سالہا سال (بلکہ بعض اوقات صدیوں تک) کا عرصہ لگ گیا اور اس کے بعد جا کر کہیں ذرا سی تبدیلی ہو سکی۔ سطحِ بین نگاہیں ان تحریکوں کا مشاہدہ اس وقت کرتی ہیں جب وہ نظری انقلاب کی طول طویل مسافت طے کر چکنے کے بعد ظہورِ نتائج کے مرحلہ میں داخل ہو جاتی ہیں، اس لئے وہ سمجھتی ہیں کہ انقلاب شباشب آجاتا ہے۔ یہ ان کی نگاہ کی بھول ہوتی ہے۔ انہیں کیا علم کہ قطرے کو گہر ہونے تک کس کس قسم کے "حلقۂ صد کامِ نہنگ" سے گزرنا پڑتا ہے۔

ایک جلنے کے سوا اور کوئی کیا جانے — حالتیں کتنی گذر جاتی ہیں پروانے پر

ان تحریکوں کی نقالی کرنے والے بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اور وہ تحریک کی صدیوں پر پھیلی ہوئی نہایت صبر آزما، اور ہمت طلب لیکن خاموش و پرسکوت مسافت سے صرفِ نظر کر کے، آغازِ کار اس مرحلہ سے کر دیتے ہیں جہاں اس تحریک کی مؤید محسوس پیکروں میں ہوئی تھی۔ نتیجہ اسکا انقلاب نہیں ہوتا، فساد ہوتا ہے — یعنی تخریب بلا تعمیر!

قرآن مستقل اقدار کی رُو سے انقلاب کا پیامبر ہے اور فساد کو بدترین جرم قرار دیتا ہے اور اس قسم کے انقلاب کے لئے وہ دل اور دماغ دونوں کے انقلاب کو شرطِ لاینفک قرار دیتا ہے خواہ اس میں کتنا ہی وقت کیوں نہ لگ جائے۔

اور قرآن کے اسی انقلاب کا میں مبلغ ہوں، اور اس کے لئے اُسی کے تجویز کردہ راستہ پر گامزن — جو احباب مجھ سے کسی اور طریق کے متقاضی اور متمنی ہیں، میں ان کی خدمت میں اس سے زیادہ اور کیا عرض کر سکتا ہوں کہ

زمانہ نگاہ طلب، کیمیا چہ می جوئی!

بعض احباب کہتے ہیں کہ جس منزل کی تم نے نشاندہی کی ہے، وہ بھی درست ہے، اور اس تک پہنچنے کا جو طریق تم تجویز کرتے ہو ہمیں اس سے بھی اتفاق ہے، لیکن تم نے اپنا مخاطب تعلیم یافتہ (INTELLECTUALS) کا طبقہ قرار دے رکھا ہے حالانکہ موجودہ غلط معاشرہ میں سب سے بُری حالت عوام کی ہے، اسلئے تمہیں چاہیئے کہ عوام (MASSES) میں جاکر اپنے پیغام کی تبلیغ کرو۔ انقلاب عوام کے لانے سے آئے گا۔

میں اس وقت اس بحث میں نہیں الجھنا چاہتا کہ قرآنی انقلاب عوام کے لانے سے آتا ہے یا اربابِ فکر و نظر کے قلب و دماغ میں تبدیلی پیدا کرنے سے۔ میں ان حضرات سے، جو سمجھتے ہیں کہ اصل کام کرنیکا میدان عوام کا طبقہ ہے، عرض کرونگا کہ جب بات آپ کے سامنے اس قدر واضح طور پر آچکی ہے تو پھر آپ اٹھ کر اس کے مطابق کام کیوں نہیں کرتے؟ آپ مجھ سے تقاضا کیوں کرتے ہیں کہ میں اپنا اختیار کردہ پروگرام ترک کر کے اس پروگرام کو اختیار کروں جسے آپ بہتر قرار دیتے ہیں۔ ایک مامور من اللہ (رسول) کی تو یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اسکی زندگی میں کوئی دوسرا کسی متبادل راستے کو اختیار نہیں کر سکتا لیکن میں تو نہ مامور من اللہ ہوں اور نہ ہی میں نے اس انقلاب آفرینی کا اجارہ لے رکھا ہے۔ میں نے بطیب خاطر اپنے لئے زندگی کا ایک مشن تجویز اور اختیار کر رکھا ہے اور اسی پر میں گامزن ہوں۔ جو احباب میرے اس مشن کے ساتھ اتفاق کر کے میرے رفیق سفر بنتے ہیں، میں ان کی رفاقت کو شکریہ کیساتھ قبول کرتا ہوں جنہیں اس سے اختلاف ہوتا ہے، ان سے بصد معذرت عرض کر دیتا ہوں کہ آپ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں اور اپنے لئے جو نسا راستہ بہتر خیال کریں اسے اختیار کر لیں۔ اب آپ سوچیئے کہ جو حضرات اسکے باوجود یہ اعتراض کئے جائیں کہ تم ہمارا تجویز کردہ راستہ کیوں اختیار نہیں کرتے، میں انہیں کیا جواب دوں۔ میرا تجربہ تو یہ ہے کہ اس قسم کے اعتراضات وہی لوگ کرتے ہیں جو خود کوئی تعمیری کام نہیں کر سکتے اور دوسروں کی تنقیص و تنکیر سے اپنے آپ کو اس خود فریبی میں مبتلا رکھتے ہیں کہ ہم بہت بڑا کارنامہ سرانجام دے رہے ہیں۔ کام کرنے والا اگر کسی راستے کو غلط سمجھتا ہے تو اسے چھوڑ کر کسی دوسرے راستے پر گامزن ہو جاتا ہے۔ وہ یہ نہیں کرتا کہ خود ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائے اور دوسروں کے پروگرام میں نقص نکال کر عمر بھر یہ شکایت کرتا رہے کہ وہ اسکے تجویز کردہ راستے کو کیوں اختیار نہیں کرتے۔

یہ ہے میرا مسلک جس پر میں کاربند چلا آرہا ہوں اور کاربند رہنا چاہتا ہوں کیونکہ میں اپنی قرآنی بصیرت کے مطابق اسی کو صحیح سمجھتا ہوں۔ والسلام!

(پرویز)

باسمہ تعالیٰ

رُوئیداد

طلوعِ اسلام کی بارھویں سالانہ کنونشن

منعقدہ ۔ ۱۷ اکتوبر لغایت ۱۹ اکتوبر ۶۹ء

مرتّب :— غلام صابر (ایم اے)

چمن میں رقص کرتے جب ترے آشفتہ سر آئے

آج ۱۶ اکتوبر ہے، ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں، بزمِ لاہور کے کارکن مہمانوں کی آمد کے لئے ضروری انتظامات میں مشغول ہیں۔ کراچی کے احباب جن میں اکثریت نوجوانوں کی تھی، کاشانۂ پرویز میں آئے۔ لمبے سفر کی تھکان ان کے چہروں سے عیاں تھی۔ لیکن جذبہ ہائے دروں کی طغیانی اُن کی گفتگو اور گلے ملنے سے تصور میں لائی جاسکتی تھی — بہرحال گلے مل کر اُنہیں رہائشی کیمپ میں پہنچا دیا گیا — !

مطبخ والوں نے آواز دی کہ کھانا تیار ہے، احباب کے ساتھ ہم جائے خورونوش پر پہنچے، امسال مہمانوں کے طعام کا انتظام لاہور چھاؤنی کے انتھک احباب کے سپرد تھا۔ اُنہوں نے جس حسن وخوبی سے اس اہم فریضہ کو سرانجام دیا وہ ہر لحاظ سے لائقِ تحسین ہے۔ سیر ہو کر کھانا کھایا اور پھر دیگر انتظامات کے سلسلے میں مصروف ہو گئے۔

شام ہو رہی ہے، بزمہائے طلوعِ اسلام کے ارکان و نمائندگان مُلک کے مختلف گوشوں سے گروہ در گروہ تشریف لا رہے ہیں۔ گلے ملنے اور احوال پُرسی کی آوازیں فضا میں ارتعاش پیدا کر رہی ہیں ـــــ یہ ارتعاش اہلِ دل کے لئے باعثِ جانفزائی اور وجہِ سکونِ قلب ہے۔ احباب کی آمد کا سلسلہ رات کے گیارہ بجے تک جاری رہا۔ چونکہ رات کا کافی حصہ گذر چکا تھا، اسلئے احباب سفر کی تھکان یا آئندہ کل کی مصروفیات کے پیشِ نظر اپنے اپنے رہائشی کیمپوں میں محوِ استراحت ہو گئے۔

پہلا اجلاس

بروز جمعہ ـــــ (۱۷ اکتوبر) ـــــ صبح نو بجے

آج ۱۷ اکتوبر ہے۔ احباب بغرض ناشتہ کنونشن کے فی سٹال میں پہنچے، ناشتہ سے فارغ ہوئے اور زندگی کے بارے میں گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا۔ چوں کہ چائے کی پیالیوں پر موضوعات کا لحاظ کم ہی رکھا جاتا ہے۔ اس لئے ملک کی تہذیبی، تمدنی، معاشرتی، سماجی اور تعلیمی صورتِ حال پر تبادلۂ خیال ہوتا رہا۔ جلسہ گاہ سے لاؤڈ اسپیکر سے یہ آواز آئی کہ بمطابق پروگرام کنونشن کا پہلا اجلاس صبح نو بجے شروع ہو رہا ہے۔ احباب نے اپنی گفتگوؤں کو سمیٹا اور پنڈال کا رُخ کیا۔ محترم خلیل صاحب نے فرمایا کہ اس اجلاس کی صدارت محترم جناب سخت جمال خان صاحب فرمائیں گے۔ محترم خان صاحب اپنے خاص جمال و جلال سے سٹیج پر مسکراتے ہوئے آئے اور کرسیٔ صدارت پر تشریف فرما ہو گئے۔ اس کے بعد تلاوتِ قرآنِ مجید کے لئے محترم حافظ عبدالمجید صاحب آئے۔ تلاوتِ کلامِ پاک کے بعد محترم خلیل صاحب نے کلامِ اقبال سے روحوں میں تمازت پیدا کی، جس پر سامعین جھوم جھوم گئے۔ غزل کے اشعار تھے۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

محترم خلیل صاحب نے غزل ختم کی اور فرمایا کہ "اقبال تو ستاروں سے اگلے جہانوں کی بات کرتے ہیں اور انسان فی الحال چاند پر ہی پہنچا ہے" ـــــ اُن کے اس ارشاد سے احباب نے دورِ جدید کے فلکیاتی کارناموں کے پس منظر میں کلامِ اقبالؒ کی معنویت محسوس کر کے خوب جی بھر کر داد دی۔ ستاروں سے آگے کے مقامات تک رسائی ہو جانے کے بعد جو حقیقت کشائی ہو گی، اس خطۂ ارض پر ہر انسان اس کا منتظر ہے۔ اس طرح قرآن کے دلدادگان نے کلامِ اقبالؒ سے خلانوردوں یا خلا پیماؤں کو ہدیہ تبریک و تحسین

پیش کیا۔

محترم خلیل صاحب نے اس وجد آفریں فضا میں جس میں نظر و فکر کی یگانگت نے دلکش سماں پیدا کر رکھا تھا، خوش آمدید کہتے ہوئے استقبالیہ پڑھا اور کہا کہ لاہور کا نام بڑا ہے لیکن ہماری یہ انجمن آرائی بزمِ لاہور کے غریب کارکنوں کی سعی و کاوش کا نتیجہ ہے۔ چونکہ ہماری ان محفلوں میں نہ کوئی مہمان ہوتا ہے اور نہ کوئی میزبان — اس لئے اگر کوئی کمی آپ کو محسوس ہو تو اس سے درگذر فرمائیے۔ اس کے بعد انہوں نے محترم پرویز صاحب کے ہمسایہ اور دیرینہ رفیق کار جناب شیخ سراج الحق صاحب کا بھی شکریہ ادا کیا، جنہوں نے اس محفل آرائی کے لئے اپنے گھر کے دروازوں کو احباب کے لئے کھول دیا تھا۔

محترم خلیل صاحب کے استقبالیہ کے بعد محترم پرویز صاحب تالیوں کی گونج میں تشریف لائے۔ ان کے خطاب کا عنوان تھا "شرار زندگی"۔ انہوں نے سب سے پہلے بزم ہائے طلوع اسلام کے مندوبین کا استقبال کیا۔ ان کے خطاب میں حسنِ جذبات کے ساتھ ساتھ تحریک کے ماضی کی صدائے بازگشت اور حال کی کیفیتوں کا حقیقت کشا تجزیہ بھی تھا اور مستقبل کے لئے راستہ کی نشان دہی بھی۔ انہوں نے فرمایا:

" رفیقانِ محترم!

مقام ہزار تشکر و امتنان ہے کہ سرمستانِ بادۂ قرآنی، سال بھر کی مفارقت کے بعد آج پھر انجمن آرائے بزمِ قرآنی ہو رہے ہیں۔ یوں تو، اگر (غالب کے الفاظ میں) شبہائے ہجر کو بھی حساب میں رکھا جائے تو سال بھر کی یہ مدت بڑی طویل اور وجہ کاہشِ جاں ہوتی ہے۔ لیکن انتظار کی صبر آزما گھڑیوں کے بعد کی ملاقات بھی اپنے اندر ایک جداگانہ لذت رکھتی ہے، ندیم قاسمی کے الفاظ میں ؎

میں جب بھی تجھ سے ملا جیسے پہلی بار ملا
بڑا سرور ملاقاتِ گاہ گاہ میں ہے

اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ آپ احباب کے قدموں کی آہٹ، نویدِ جاں فزا کی نا صدا اور تشبیرِ جاں نواز کی پیغام بر بن کر فردوسِ گوش بنتی ہے اور یہاں کی ساری فضا میں مسرتیں ناچنے لگتی ہیں۔ بس یوں کہیئے کہ

چمن میں رقص کرنے جب تیرے آشفتہ سر آئے
گلوں کا ذکر کیا کانٹوں کے چہرے بھی نکھر آئے

محترم پرویز صاحب نے اپنی اس ابتدائی گفتگو کے بعد تحریک کے پچھلے ایک سال کی مسافت کا جائزہ لیتے ہوئے فرمایا کہ اگرچہ ہمارے ملک میں پچھلے سال ہنگامہ آرائیوں اور شورش انگیزیوں کا سیلاب جہاں آشوب کٹاکٹیں مارتا رہا لیکن ہمارا یہ کاروانِ جذب و مستی اِن ہنگامہ خیزیوں سے یکسر محفوظ رہا۔ اور ملک کے کسی گوشے میں بزمِ طلوعِ اسلام کے کسی رکن نے اِن ہنگاموں میں کسی قسم کا بھی حصہ نہ لیا اور یہی قرآنی تعلیم کا اعجاز ہے جو اس قسم کی عالمگیر شورشوں میں بھی ذہنی توازن کھونے نہیں دیتا۔

درجنوں از خود نرفتن کارِ ہر دیوانہ نیست!

پرویز صاحب اپنے خطاب میں بزموں کے طریقِ کار پر روشنی ڈالتے رہے اور ساتھ ہی اُن کمزوریوں کی طرف بھی اشارہ کر رہے تھے جو عام طور پر افراد سے سرزد ہو جایا کرتی ہیں۔ احباب نہایت جذب و انہماک سے اُن کی باتوں کو سُن رہے تھے، کچھ نے اپنی عملی کمزوریوں کو دیکھا اور چند ایک نے اپنی سرگرمیوں میں تحریکی مزاج کو پہچانا ـــــ اس کے ساتھ ہی محترم پرویز صاحب نے تحریک کے رفقاء کی مساعی جمیلہ پر ہدیۂ تبریک و تہنیت پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ

> جیسا کہ سب کو معلوم ہے، ہماری تحریک سرمایہ داروں کی تحریک نہیں، نہ ہی اسے کہیں سے کوئی امداد ملتی ہے۔ جو تحریک ہر غلط بات کو غلط کہہ دے، اور لگی لپٹی بغیر لگا کر کہہ دے، اُسے اِس زمانے میں امداد کہاں سے مل سکتی ہے؟

محترم پرویز صاحب نے یہ فرمایا اور احباب نے اپنی تحریک کے اس قلندرانہ استغنا پر ایک مخصوص انداز کا فخر محسوس کیا ـــــ اس کے بعد تالیوں کی گونج میں پرویز صاحب فرما رہے تھے کہ

> میں تو بکمال عجز و نیاز، بطور تحدیثِ نعمت، یہاں تک کہنے کی بھی جرأت کر سکتا ہوں کہ صدرِ اول کے بعد ہماری تاریخ کے کسی دور میں بھی خالص فکرِ قرآنی کا اس قدر عالمگیر چرچا اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا ـــــ کیا آپ اپنی اس سعادت کو وجہِ صد ناز و باعثِ ہزار افتخار نہیں سمجھتے کہ جب، میدانِ محشر میں حضور نبی اکرمؐ بدرگاہِ ایزدی، یہ لرزہ انگیز شکایت کریں گے کہ
>
> یٰارَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (۲۵/۳۰)
>
> اے میرے نشوونما دینے والے! یہ ہے میری وہ قوم جس نے اس قرآن کو ایک شے مہجور بنا کر رکھ چھوڑا تھا ـــــ تو آپ کا شمار اُس قوم میں نہیں ہوگا جس کی

طرف حضورؐ کی انگلی اُٹھے گی ۔۔۔ میں سمجھتا ہوں کہ دنیا کی ہزار کامرانیاں اور سرفرازیاں اس ایک استثناء پر نثار کی جا سکتی ہیں۔"

اِس حقیقت کشائی کے بعد احباب کے سرجوش و مسرت کی ملی جُلی کیفیات سے بلند سے بلند تر ہو رہے تھے۔ لیکن کئی ایک عجز و انکساری سے اپنے آنسوؤں کو دامنِ مژگاں میں چھپائے جذب و سرور کے عالم میں جذب تھے۔ اس فضا سے بخوبی اندازہ ہو سکتا تھا کہ اس ملک میں وابستگانِ دامنِ قرآنی کے عشق و مستی کا عالم کیا ہے۔ چونکہ ہر قوم اور ہر ملت کے مستقبل کی بنیاد نئی نسل ہوا کرتی ہے اس لئے اس دنیا میں وہی قوم زندہ و پایندہ رہتی ہے جس کی آنے والی نسل بہترین تعلیم و تربیت سے مزیّن ہو۔ اگرچہ اس عظیم ترین ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا کوئی معمولی کام نہیں لیکن اس میدان میں جس عمل پیہم اور مسلسل تگ و تاز کی ضرورت ہوتی ہے، وہ بھی عشق اور جنون کے سوا کسی دوسرے جذبے سے پیدا نہیں ہو سکتی ۔۔۔ بہرحال لائق تبریک ہیں وہ لوگ جو اپنی ملت کے نونہالوں کی اعلیٰ تربیت کے لئے سوچتے ہیں۔

ہمارے ملک میں چونکہ نظامِ تعلیم و تربیت، نئی نسل کی صحیح تعلیم و تربیت کرنے کے سلسلے میں کافی حد تک ناکام ہو چکا ہے، اسلئے ہر ذی علم اپنے ملی مستقبل سے خوفزدہ ہے اور کچھ سیاسی حیلہ گر اپنے اپنے مخصوص غیر متعین مفادات کے تحت، خوف و ہراس کی فضا کو مزید عام کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مذہبی پیشوائیت کی حرکتِ مذبوحی سے بھی فضا میں تکدر اور انتشار پیدا ہو رہا ہے اور اس کے فطری نتیجہ کے طور پر نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ مذہب کی طرف سے نہ صرف متنفر ہوتا جا رہا ہے بلکہ دہریت کی آغوش میں پناہیں تلاش کر رہا ہے۔ اس سنگین صورتِ حال سے نبرد آزما ہونے کیلئے یہ ضروری ہے کہ صحیح اسلام کو (جو قرآن کے اندر ہے) نئی نسل کے سامنے لایا جائے تاکہ ہمارا ملی مستقبل روشن ہو سکے۔ اس تاریکی کو روشنی میں بدلنے کے لئے احبابِ طلوعِ اسلام کی ذمہ داری اس وقت اور زیادہ شدید ہو گئی ہے۔ محترم پرویز صاحب نے اس کیفیت کی شدت کا احساس دلاتے ہوئے فرمایا کہ

اس وقت ذرا سی سہل انگاری نہ معلوم منزل کو کتنی دور لے جائے۔

اور اس کے بعد اپنے رفقاءِ کار سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

افسردگیٔ سوختۂ جاناں ہے قہرِ میر
دامن کو ٹک ہلا کہ بجھی ہے دلوں کی آگ

تحریکِ طلوعِ اسلام، اُن باطل نظریات کی، جو قوم میں جمود اور تعطل پیدا کرنے کا موجب بنتے ہیں، بیخ کنی کر کے، ملت کو تعلیمِ قرآنی سے مسلح کرتی ہے ــــ اس مشکل اور عظیم ترین معرکہ کو سر کرنے کے لئے تحریک کے جیالوں نے سابقہ کنونشن میں ایک عزم کیا تھا اور اُن کی مساعی جمیلہ سے جو درخشندہ نتائج برآمد ہوئے ہیں وہ لائقِ تبریک و تحسین ہے، اب یہ امید بندھ گئی ہے کہ طلوعِ اسلام کالج بہت جلد شروع کر دیا جائے گا۔ (اس کی تفصیلات محترم سیکرٹری صاحب قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی کی رپورٹ میں درج تھیں جو طلوعِ اسلام کی سابقہ اشاعت میں شائع ہو چکی ہے)۔

اپنے خطاب کے آخر میں محترم پرویز صاحب نے احباب کی توجہ ایک بنیادی اصولِ حیات کی طرف مبذول کراتے ہوئے (اقبالؒ کے الفاظ میں) کہا کہ

اگر امروزِ تو تصویرِ دوش است
بخاکِ تو شرارِ زندگی نیست

اور یہ "حقیقت" اعادہ ہے حضور نبی اکرمؐ کے اس ارشادِ گرامی کا کہ

مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَاہُ فَھُوَ مَغْبُوْن۔

جس کے دو دن ایک جیسے گذر جائیں وہ سخت نقصان میں رہا۔

آخر میں پرویز صاحب نے ہمرہانِ قافلۂ قرآنی سے، جذب و شوق کے بھرپور انداز سے کہا کہ

ابھی گرانیٔ شب میں کمی نہیں آئی
نجاتِ دیدہ و دل کی گھڑی نہیں آئی
بڑھے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی۔

ان الفاظ سے سارا پنڈال جذباتِ عزم و ثبات کا حسین مظہر بن گیا۔

(پرویز صاحب کا یہ استقبالیہ طلوعِ اسلام کی سابقہ اشاعت میں منظرِ عام پر آچکا ہے)

محترم پرویز صاحب ابھی اسٹیج سے نیچے نہ اترے تھے کہ تحریکِ طلوعِ اسلام کے ایک انتھک کارکن جناب شیخ عبدالحمید صاحب نے پرویز صاحب کی تازہ ترین تصنیف "جہانِ فردا" کے شائع ہو جانے کی خوشخبری دیتے ہوئے دو نسخے انہیں پیش کئے۔ پرویز صاحب نے کتاب کو دیکھتے ہی فرمایا کہ

برادران! خدا کا شکر ہے کہ مجھے کتابوں کی اشاعت کے سلسلے میں ایک ایسا کوہ کن اور جواں ہمت ساتھی ملا ہے جس کی شب و روز کی محنت سے یہ

مشکل کام بڑی آسانی سے پایۂ تکمیل تک پہنچ جاتا ہے اور یہ کتاب بھی اسکی کوہ کنی کا ہی نتیجہ ہے اس لئے کہ وہ اگر مسلسل خارہ شگافی سے کام نہ لیتے تو یہ کتاب آج ہمارے ہاتھوں میں نہ ہوتی۔

اس کے بعد پرویز صاحب نے "جہانِ فردا" کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ

"موضوع کے اعتبار سے یہ کتاب قرآن کے مشکل ترین مقامات سے متعلق ہے، اسلئے کہ ہم محسوسات کے خوگر ہیں اور ہر مسئلہ کو محسوسات کے زیرِ اثر سمجھنا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ کتاب قرآن کے اُن موضوعات پر مشتمل ہے جو محسوسات سے ماوراہیں یعنی موت کے بعد کی زندگی کے متعلق مباحث ـــــ اللہ کا شکر ہے کہ یہ دشوار گذار مرحلہ بھی بآسانی طے ہوگیا۔

کتاب کے تعارف کے بعد محترم خلیل صاحب نے ناظم ادارہ کی سالانہ رپورٹ پیش کی جو چند صفحات بعد آپ کے سامنے آرہی ہے۔ خلیل صاحب نے رپورٹ پڑھنے کے بعد کہا کہ اس اجلاس کے بعد دوسرا اجلاس بعد از نماز جمعہ شروع ہوگا، احباب قریب کی مساجد میں نماز جمعہ ادا فرمائیں کیونکہ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے ہمارا شعار یہ ہے کہ نمازوں کے لئے کوئی الگ انتظام نہ کیا جائے۔ انہی مساجد ہی میں ادا کیا جائے۔

(۰)

دوسرا اجلاس

بروز جمعہ ـــــــــ ۴ بجے بعد دوپہر

کھانا کھانے اور فریضہ نماز ادا کرنے کے بعد احباب اپنے اپنے رہائشی کیمپوں میں سستا رہے تھے اور بعض ٹی سٹال میں مصروفِ چائے نوشی تھے کہ پنڈال سے آواز آئی کہ اجلاس شروع ہونے والا ہے اس لئے ارکان پنڈال میں پہنچ جائیں۔

یہ اجلاس تحریکِ طلوعِ اسلام کے سرگرم کارکن اور کالج اسکیم کے زبردست شیدائی محترم جناب نذیر حسین عارف صاحب کی صدارت میں شروع ہوا۔ محترم خلیل صاحب نے اس اجلاس کی تلاوت کلام پاک کے لئے عارف صاحب کے دستِ راست اور تحریک کے جواں ہمت ساتھی محترم جناب حافظ محمد یونس صاحب کو آواز دی۔ حافظ صاحب جس پروقار لہجے میں قرآن کی تلاوت فرماتے ہیں وہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ تلاوت کے بعد محترم خلیل صاحب نے کلامِ اقبال کو اپنے مخصوص ترنم سے سنایا

اُن کی پُرسوز آواز سے اہلِ دل داد دے رہے تھے۔ اہلِ نظر جھوم رہے تھے اور ایک خوبصورت اور دلکش سماں بندھا ہوا تھا۔ خصوصاً ان الفاظ کو دہرانے پر تو عجیب دلکش فضا پیدا ہو رہی تھی کہ

شرابِ کہن پھر پلا ساقیا!

محترم خلیل صاحب کی پُرسوز آواز سے احباب اپنی حیات کو لطیف تر محسوس کر رہے تھے کہ انہوں نے ایک قرار داد تعزیت پیش کی جو محترم غلام نبی صاحب (مرحوم) بانی بزم طلوع اسلام لیہ کی وفات حسرت آیات سے متعلق تھی جو ۱۲ مئی ۶۹ء کو انتقال کر گئے تھے۔ احباب مخلص رفیق کی یاد سے ہمہ تن وقفِ اضطراب تھے۔ یہ قرار داد بالاتفاق قبول کی گئی۔

اس کے بعد محترم شیخ سراج الحق صاحب سیکرٹری قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی نے جو محترم پرویز صاحب کے قدیم ترین رفیق اور تحریک کے نہایت مخلص کارکن ہیں، قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی کی رپورٹ پیش کی۔ اور یہ اعلان کیا کہ آپ احباب کی مخلصانہ سعی و کاوش سے سابقہ کنونشن کا عزم پایۂ تکمیل تک پہنچ رہا ہے۔ اور اب ہمیں اپنی منزل قریب نظر آ رہی ہے جس سے یہ امید بندھ گئی ہے کہ طلوع اسلام کالج ۷۰ء میں شروع کر دیا جائے گا۔ احباب نے یہ مژدۂ جانفزا سنا اور اس کا پُرجوش جذبات سے استقبال کیا۔

اس کے بعد انہوں نے کالج اسکیم میں لوگوں کی دلچسپیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ دو اصحاب نے کالج اسکیم میں ایک خطیر رقم بذریعہ ڈرافٹ ارسال کی ہے اور اپنا نام تک نہیں بتایا۔ اس قسم کے کئی ایک دوسرے احباب نے اپنے اسمائے گرامی کی اشاعت سے منع فرمایا ہے۔

اس دور میں اس قسم کے جذبات کی رفعتیں تعلیم قرآنی کا نتیجہ ہی ہو سکتی ہیں۔ ورنہ نام و نمود کا دربار تو ہر اجتماع کی زینت بن جاتا ہے۔ لیکن احباب کا قرآن سے عشق، طلوعِ اسلام کے اجتماعات کو ان ظاہری شہرت پرستیوں سے کس قدر ممیز رکھتا ہے۔

رپورٹ ختم ہونے کے بعد محترم خلیل صاحب نے کالج اسکیم کی مزید توسیع کے لئے تجاویز پیش کرنے کے لئے احباب کو دعوت دی۔ محترم عزیز قریشی صاحب نے بزم راولپنڈی کی طرف سے یہ تجویز پیش کی کہ کالج کے بارے میں چندہ فراہم کرنے کے لئے ایک اجلاس "سرسید کی یاد میں" منایا جائے اور مختلف لوگوں کو اس میں دعوت دی جائے۔ اس طرح لوگوں کے سامنے طلوعِ اسلام کالج کی اہمیت بھی آجائے گی اور مالی اعانتوں کے میدان میں بھی وسعت پیدا ہو گی۔

اس کے بعد محترم قدیر احمد خان صاحب نے بزم کوئٹہ کیطرف سے اظہار خیال فرماتے ہوئے کہا، کہ چونکہ کائناتی قوتیں پُرعزم انسانوں کے ساتھ ہی ہوا کرتی ہیں، اس لئے ہمیں عزم راسخ سے قریہ قریہ

کلی کلی اور آستاں بہ آستاں اپنی جھولی لے جانی چاہیئے تاکہ طلوع اسلام کالج کا پروگرام جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہنچ جائے، ہماری اس تگ و تاز سے صاحبِ تحریک محترم پرویز صاحب کی بیقراری، قرار میں بدل سکتی ہے اور یا اسی طرح وہ اپنا قرآنی فریضہ ادا کر کے سکون کی منزلوں کی جانب رواں دواں ہوں گے۔

محترم قدیر احمد خان صاحب کے بعد محترم ظفر احسن محمود صاحب نے بزمِ لاہور کی طرف سے کہا کہ ــــ قرآن کے دامن کو تھام لینے کے بعد مایوسی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ قرآن امیدوں کا پیامبر ہے اور مکافاتِ عمل پر یقین رکھنے والے مایوس کس طرح ہو سکتے ہیں، کیونکہ اس کارزارِ حیات میں ایسا کوئی واقعہ رونما نہیں ہوتا جو ہماری انفرادی یا اجتماعی عمل کا نتیجہ نہ ہو ــــ اور صاحبِ عمل انسان کے لئے مایوس ہونے کی کوئی وجہ ہی نہیں ہو سکتی۔ اگر کسی وقت نتیجہ ہماری توقعات کے مطابق برآمد ہو تو ہمیں کھڑے ہو کر اپنے پروگرام کا جائزہ لینا چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ اس میں کہاں سقم رہ گیا ہے جس کی وجہ سے مطلوبہ نتیجہ مرتب نہیں ہوا۔ اس سقم کو دور کرنے کے بعد ہمیں پھر مصروفِ کار ہو جانا چاہیئے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہمارے معاشرے میں (FALSE NOTION OF PRESTIGE) عام ہے، جن لوگوں کے سامنے کوئی بلند مقصد ہوتا ہے۔ وہ اس قسم کی ذہنی بیماریوں سے بلند ہوتے ہیں ــــ اس لئے ہمیں چاہیئے کہ ہم ایک بلند مقصد کے حصول کی خاطر ہر گھر میں جا کر طلوع اسلام کالج کے قیام کے لئے معاونت کی اپیل کریں۔ اور اپنی کوششوں کو ایک تسلسل دیں ــــ آپ دیکھیں گے کہ نتیجہ کے طور پر فضا ہماری آولز کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائے گی۔

محترم ظفر احسن محمود صاحب کے خطاب کے بعد اس نشست کا دوسرا دور شروع ہوا اور محترم خلیل صاحب نے اعلان کیا کہ محترم چوہدری عطاء اللہ صاحب اپنا مقالہ پڑھیں گے۔ محترم چوہدری عطاء اللہ صاحب ساہیوال میں مقیم ہیں اور تحریکِ طلوع اسلام کے نمائندہ کارکن ہیں۔ ان کے مقالہ کا عنوان تھا "نظامِ تعلیم اور طلوع اسلام کالج" ــــ محترم چوہدری صاحب نے اپنے فاضلانہ مقالہ میں تاریخی تناظر میں طلوع اسلام کالج کی اہمیت کا احساس دلایا اور بتایا کہ

> سرسید کی درسگاہ ایک بڑی مملکت یعنی پاکستان کی صورت میں منتج ہوئی اور انشاء اللہ طلوعِ اسلام کالج، پاکستان کو اسلامی مملکت بنانے میں خشتِ اوّل ثابت ہوگا۔

اُن کی اس آرزو سے احباب کے چہروں پر رونق آگئی اور تالیوں کی گونج سے انہیں داد و تحسین پیش کی۔ انہوں نے بتایا کہ دہریت ایک منظم اور جارح قوت کی حیثیت سے نمودار ہو رہی ہے اور ہمارے

ملک کے بھٹکے ہوئے راہی کو راہِ حرم دکھانے کے لئے ایک سرسید کی ضرورت ہے اور مقامِ تشکر ہے کہ ہم میں سرسید موجود ہے یعنی محترم پرویز صاحب ۔!

اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ

آج مذہب کے پجاری بھی تحریکِ طلوعِ اسلام کی خوشہ چینی کرنے کے بعد اپنے اپنے انداز سے اس پیغام کو عام کر رہے ہیں، لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ "دل سے نکلی ہوئی بات اور حالات کے دباؤ کے تحت اُگلی ہوئی بات میں واضح فرق ہوتا ہے"

محترم چوہدری عطاء اللہ صاحب کے اس خیال افروز مقالہ کو احباب نے نہایت دلچسپی سے سنا اور پورے انہماک سے اُن کی باتوں کو دل و دماغ میں جگہ دی۔ اُن کے مقالہ کے بعد بزمِ مردان کے نمائندہ اور تحریکِ طلوعِ اسلام کے السابقون الاولون کے زمرہ کے واجب الاحترام رفیق محترم خان عبدالحکیم خان صاحب اسٹیج پر تشریف لائے۔ ان کے مقالہ کا عنوان بھی "نظامِ تعلیم اور طلوعِ اسلام کالج" تھا۔ خانصاحب کا اسلوبِ تحریر اس قدر منفرد اور ان کا اندازِ بیان "سادگی و پُرکاری" کا ایسا حسین مرقع تھا کہ الفاظ میں اسکی تصویر پیش کرنا مشکل ہے۔ ان کی کیفیت یہ ہے کہ وہ نہایت عمیق حقائق کو لطائف کی شکل میں پیش کرتے ہیں۔ لیکن ابھی سامعین کا قہقہہ منتہیٰ تک نہیں پہنچنے پاتا کہ آپ اس کے عبرت آموز نتیجہ کو سامنے لاکر اس ہنسی کو آنسوؤں میں تبدیل کر دیتے ہیں اور یہ کچھ مسلسل کرتے چلے جاتے ہیں۔ چونکہ اس قسم کی تقریر کا منتہیٰ پیش کرنا، گہرے آب گہر کے نچوڑنے کے مرادف ہوگا اس لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ قارئین کو اس وقت تک کے لئے زحمت کشِ انتظار رکھا جائے جب تک وہ خطاب طلوعِ اسلام کے صفحات پر سامنے نہ آ جائے۔

خصوصی پروگرام

گذشتہ سالوں میں، کنونشن کے کچھ اجلاس، مندوبین تک محدود ہوتے تھے اور کچھ کھلے اجلاس جن میں دعوتِ عام ہوتی تھی۔ اس سال ملک کے خصوصی حالات کے پیشِ نظر کنونشن کے اجلاس مندوبین تک محدود رکھے گئے تھے لیکن انہی ایام میں، کنونشن سے الگ، قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں، بعض خصوصی پروگراموں کا انتظام کیا گیا تھا۔ وقت کے تسلسل کے لحاظ سے، ان پروگراموں کی تفصیل بھی، اسی روئیداد کے ساتھ ہی پیش کی جاتی ہے۔ اس سلسلہ کی پہلی کڑی ڈاکٹر سید عبدالودود صاحب کا

لیٹرن لیکچر تھا۔

محترم ڈاکٹر سیّد عبدالودود صاحب کا لیکچر

"کائنات میں توحید فی العمل" — تشریح بذریعہ سلائیڈز

زیرِ صدارت :۔ محترم ڈاکٹر بدرالدین صاحب صدر شعبۂ کیمسٹری ۔ پنجاب یونیورسٹی ۔ لاہور

ڈاکٹر سیّد عبدالودود صاحب کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں — لاہور کے ایک نامور سرجن ، اور تحریکِ خاکساران کے ایک (سابقہ) ممتاز راہ نما — لیکن حلقۂ طلوعِ اسلام میں ان کی جس منفرد خصوصیت نے انہیں احباب کی آنکھ کا تارا بنا رکھا ہے، وہ قرآنِ مجید کے ساتھ ان کی والہانہ شیفتگی ، اور (اسی نسبت سے) محترم پرویز صاحب کے ساتھ ان کے نہایت پُرخلوص اور محبت آمیز تعلقات ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اپنی بے پناہ مصروفیتوں کے باوجود قرآن مجید کے حقائق و معارف پر اپنی سائنٹیفک بصیرت کے مطابق نہایت گہری نگاہ سے غور و فکر کرتے ، اور اس بحرِ ذخار سے نہایت قیمتی موتی باہر لاتے ہیں۔ چنانچہ آجکل وہ (انگریزی زبان میں) ایک ایسی کتاب کی تسوید میں مصروف ہیں جس میں قرآنی حقائق کو علوم سائنس کی روشنی میں ایسے عالمانہ انداز سے پیش کیا گیا ہے کہ جوں جوں چشمِ بصیرت اس پر غور کرتی ہے، وجد و مسرت سے جھوم اٹھتی ہے۔ یہ کتاب جب چھپ کر دنیا کے سامنے آئی تو قرآنی عظمت کو اس انداز سے بے نقاب کرے گی جس کی مثال بہت کم ملے گی — اپنی اس قدر مصروفیتوں کے باوجود ڈاکٹر صاحب موصوف طلوعِ اسلام کی کنونشن کے موقعہ پر ایک خاص لیکچر دیا کرتے ہیں جس میں ایک خاص موضوع پر قرآنی آیات کو سائنس کی روشنی میں سامنے لاتے ہیں اور ان کی وضاحت سلائیڈز کے ذریعے کرتے ہیں۔ امسال ان کے لیکچر کا موضوع تھا — نظامِ کائنات میں توحید فی العمل — یہ وہی موضوع تھا جس کی طرف اقبالؒ نے اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ

لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرّے کا دل چیریں !

لیکن وہ ایک شاعر کا استعارہ تھا اور یہ (لیکچر) ایک قرآن دان سائنٹسٹ کی حقیقت کشائی — اور دونوں کا فرق ظاہر ہے۔ لیکچر بڑا فنی (ٹیکنیکل) تھا لیکن اس قسم کی فنی ہیوست کو قرآنی تسنیم و سلسبیل کی لطافت سے دور کرنے کا جو ملکہ ڈاکٹر صاحب کو حاصل ہے، اس کا نتیجہ تھا کہ ڈیڑھ دو گھنٹے کے اس لیکچر میں کسی کو وقت کے گذرنے کا احساس تک نہ ہوا۔ اس سے علم و عرفان کی جو حسین فضا پیدا ہوئی اس کی یاد

آئندہ کنونشن تک وجہ شادابیٔ قلب و دماغ رہے گی۔

محترم ڈاکٹر سید عبدالودود صاحب کے لیکچر کے بعد محترم جناب ڈاکٹر بدرالدین صاحب نے اپنے خطبۂ صدارت میں فرمایا کہ

> اس دور میں اگر آپ قرآن کا مفہوم سمجھنا چاہتے ہیں تو آپ کے لئے ضروری ہے کہ آپ دورِ جدید کے سائنسی نظریات سے بہرہ ور ہوں — ورنہ آپ کا نقطۂ نظر قرآن کی تعلیم کے خلاف چلا جائے گا اور جیسا کہ مسلمانوں کے ساتھ ہوا، ہم خدا کی منشاء کے خلاف عمل کرتے ہوئے کہیں کے نہ رہیں گے۔ اسلئے ضروری ہے کہ جب آپ قرآن کا مطالعہ کریں تو آپ کے ساتھ ایک سائنسدان بھی ہو۔

محترم ظفر احسن محمود صاحب نے شرکاء محفل اور ارکانِ بزم کی طرف سے محترم ڈاکٹر سید عبدالودود صاحب کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے اس قسم کے فاضلانہ علمی لیکچر سے نوازا اور محترم ڈاکٹر بدرالدین صاحب کا بھی، کہ انہوں نے اجلاس کو شرفِ صدارت سے نوازا۔

رات ۹½ بجے یہ محفل ختم ہوئی، طعام گاہ کی طرف سے اعلان ہوا کہ کھانا تیار ہے۔ احباب طعام گاہ میں پہنچے — اور محترم ڈاکٹر صاحب کے موضوع پر اظہارِ خیال کرتے رہنے کے ساتھ ساتھ کھانا بھی کھاتے رہے۔

کھانا کھانے کے بعد اُن بزموں کے نمائندے پنڈال میں جمع ہوئے جن کے ہاں محترم پرویز صاحب کا درس قرآن بذریعہ ٹیپ سنایا جاتا ہے۔ چونکہ اس آواز کو عام کرنے کے لئے درسِ قرآن بذریعہ ٹیپ ریکارڈ انتہائی مؤثر انداز ہے، اسلئے احباب نے تجویز پیش کی کہ مغربی پاکستان میں ادارہ کی طرف سے ٹیپس ارسال کرنے کے لئے دو حلقے بنا دیئے جائیں تاکہ اس سے کام کی رفتار میں تیزی پیدا ہو سکے۔ یہ تجویز بالاتفاق منظور کر لی گئی۔

رات کے گیارہ بج رہے تھے کہ محترم پرویز صاحب نے اس نشست کو ایک واضح لائحہ عمل مرتب کرنے کے بعد برخاست کیا۔

کنونشن کا تیسرا اجلاس

بروز ہفتہ — (۱۸ اکتوبر) — صبح ۹ بجے

آج ۱۸ اکتوبر ہے۔ احباب اجلاس میں شرکت سے پہلے ٹی سٹال میں ناشتہ کر رہے ہیں۔ ایک

صاحب نے ٹی سٹال میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"کیوں جی، ڈبل روٹیاں کھا دیاں جا رہیاں نیں!"

(کیوں صاحب! ڈبل روٹیاں اڑائی جا رہی ہیں!)

دوسرے نے جواب دیا:

"جی جناب، ڈھڈھ نہ پیاں روٹیاں تے سبھے گلاں کھوٹیاں"

(جی ہاں! اگر پیٹ خالی ہو تو کوئی بات صحیح طور پر سمجھ میں نہیں آ سکتی۔)

بات تو مزاح کی تھی لیکن سوچئے کہ اس مزاح میں کتنی بڑی حقیقت پوشیدہ تھی۔

پنڈال سے آواز آئی کہ احباب جلسہ گاہ میں پہنچ جائیں تاکہ پروگرام کے مطابق کارروائی شروع کی جا سکے۔

یہ اجلاس محترم حسن عباس رضوی صاحب کی صدارت میں شروع ہوا۔ موصوف بزمِ کوئٹہ کے ممتاز اور فکری راہ نما ہیں اور اپنے رفقاء کے ہمرکاب تحریک کے پیغام کو عام کرنے کے لئے سرگرمِ عمل رہتے ہیں۔ محترم ظفر احسن محمود صاحب نے تلاوت قرآنِ مجید کے لئے محترم حافظ عبدالمجید صاحب کا اسمِ گرامی پکارا۔ محترم حافظ صاحب نے تلاوت فرمائی اور اس کے بعد محترم خلیل صاحب نے کلامِ اقبالؒ سے فضا میں تازگی پیدا کی۔ یہ اجلاس تحریک کے عملی پروگرام کو آگے بڑھانے کے سلسلے میں مختلف تجاویز پر غور و فکر کے لئے مخصوص تھا۔

طلوعِ اسلام کی اشاعت

سب سے پہلے طلوعِ اسلام کی اشاعت کا مسئلہ زیرِ بحث آیا۔ احباب نے کہا کہ 'طلوعِ اسلام' تحریک کا واحد آرگن ہے، یہی ہماری آواز ہے۔ اور اس کی اشاعت ہماری جد و جہد کا عکس ہے۔ اس لئے اس کی اشاعت میں توسیع کرنی چاہیئے اور پھر اسے اہلِ فکر و نظر طبقہ تک پہنچانا چاہیئے۔ ناظم ادارہ محترم خلیل صاحب نے اعداد و شمار کی روشنی میں بتایا کہ اب سے تین سال پہلے تک، رسالہ طلوعِ اسلام کا ہزاروں روپے کا سالانہ خسارہ محترم پرویز صاحب خود پورا کرتے چلے آ رہے تھے۔ اب احباب کے تعاون سے اتنا ہو سکا ہے کہ اس کا آمد و خرچ برابر ہو جاتا ہے۔ لیکن موجودہ اشاعت، مقصد پیشِ نظر کو پورا کرنے کے لئے ناکافی ہے اسلئے اس کا بڑھانا نہایت ضروری ہے۔ طے یہ پایا کہ بزم میں اپنی موجودہ ذمہ داریوں کو تو بہرحال علیٰ حالہ رکھیں اور مزید اشاعت کے لئے کوشاں رہیں۔

اسٹینوگرافر

سابقہ کنونشن میں طے پایا تھا کہ قرآنی فکر سے متعلق تحریری کام کو کم وقت اور زیادہ آسانی کے ساتھ سرانجام دینے کے لئے محترم پرویز صاحب کے لئے ایک

اسٹینوگرافر کا انتظام کیا جائے۔ اس کے لئے بزموں نے مالی اعانت کے وعدے کئے تھے۔ طے پایا کہ یہ وعدے جنوری ۱۹۷۰ء کے پہلے ہفتہ تک ایفا کر دیئے جائیں۔

پرویز صاحب کے دورے

محترم ظفر احسن محمود صاحب نے کہا کہ اگر صاحب تحریک محترم پرویز صاحب کے خطابات کا بڑے بڑے شہروں میں انتظام کیا جائے تو تحریک کی آواز بہت جلد ملک کے ہر ذی شعور فرد تک پہنچ جائے گی۔ ان کی اس تجویز کو احباب نے بہت زیادہ سراہا اور محترم نذیر حسین عارف صاحب نے فرمایا کہ پچھلے ملکی حالات کے پیش نظر محترم پرویز صاحب کے دوروں کا سلسلہ جاری نہیں رکھا جا سکا۔ اس سال اس سلسلے میں بڑی کامیابی کی توقع ہے۔ انہوں نے دوروں کی افادیت بتاتے ہوئے کہا کہ آج ہماری تحریک کے سامنے ایک متعین اور واضح منصوبہ ہے یعنی طلوع اسلام کالج کا قیام۔ اس سلسلے میں محترم پرویز صاحب کے دورے اسلئے بھی مفید نتائج کے ضامن ہونگے کہ ان سے لوگ اس فکر کی اہمیت اور اس قسم کی درسگاہ کی اہمیت سے واقف ہو سکیں گے۔

درج ذیل بزموں نے اپنے اپنے شہروں میں محترم پرویز صاحب کو مدعو کرنے کا اعلان کیا۔

۱۔ کراچی	۶۔ لائل پور	(نومبر ۶۹ء، مارچ ۷۰ء)
۲۔ وزیر آباد	۷۔ کوئٹہ	
۳۔ ساہیوال	۸۔ ملتان	مارچ ۷۰ء
۴۔ گوجرانوالہ	۹۔ راولپنڈی	
۵۔ سرگودہا	۱۰۔ گجرات	

کراچی بزم کی تصاویر

اِن اعلانات کے بعد محترم محمد اسلام صاحب اسٹیج پر تشریف لائے اور فرمایا کہ جیسا کہ محترم ظفر احسن محمود صاحب نے کل کی نشستوں میں فرمایا تھا 'بزمہائے طلوع اسلام کے کارکنوں کو چاہیئے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو سکوں میں تبدیل کریں تاکہ کالج اسکیم جلد سے جلد تکمیل تک پہنچ جائے۔ لہٰذا ہم کارکنانِ بزم کراچی نے اسی جذبے کے تحت مختلف تصاویر بنائی ہیں جو آپ کے دفتروں، گھروں وغیرہ میں باعثِ آرائش بن سکتی ہیں۔ آپ اِن تصاویر کی جو بھی قیمت دیں گے ہم اُسے کالج اسکیم میں جمع کرا دینگے۔ محترم محمد اسلام صاحب نے یہ اعلان فرمایا۔ اور محترم پرویز صاحب کی ایک تصویر جو ایک بڑے فریم میں پینسل کی ہوئی تھی، احباب کو دکھائی جسے محترم حبیب الرحمٰن خانصاحب نے ۱۰۰/- روپے میں خرید لیا۔ اس کے بعد محترم پرویز صاحب کی دوسری تصویر کو محترم شیخ غلام محی الدین صاحب نے ۱۰۰/- روپے میں خرید لیا۔ اس کے بعد علامہ اقبال کی تصویر

محترم اختر علی صاحب نے ۲۵/- روپے میں خریدی۔ اور پھر علامہ اسلم جیراجپوری ؒ کی تصویر کو اسٹیج پر بلند کیا گیا جس پر محترم پرویز صاحب نے نہایت بیتابی سے کہا کہ اس تصویر کو میں خریدوں گا، لیکن محترم انوار الحق صاحب نے یہ تصویر ۳۰۰/- روپے میں خرید کر محترم پرویز صاحب کو تحفہ کے طور پر پیش کی۔ پرویز صاحب نے یہ تحفہ قبول کرنے کے بعد اپنے دستخط کر کے محترم انوار الحق صاحب کو تحفۃً لوٹا دی ــــ کس قدر حسین تھی بازارِ مصر کی یہ بیع و شریٰ!

انگریزی کتاب

اس کے بعد محترم محمد خلیل صاحب اسٹیج پر تشریف لائے اور محترم پرویز صاحب کی کتاب (ISLAM A CHALLENGE TO RELIGION) کے بارے میں بتایا کہ اس کتاب نے پاکستان اور بیرونِ پاکستان ممالک میں ایک خاص اثر پیدا کیا ہے۔ اور اس فکر کو عام کرنے کے لئے اب تک ۵۰۰۰/- روپے کی کتابیں مغربی ممالک کے مفکرین کو بلاقیمت ارسال کی جا چکی ہیں۔ لہٰذا احباب کو چاہیئے کہ وہ اس کتاب کو اپنے اپنے حلقوں میں پھیلائیں تاکہ ہم زیادہ سے زیادہ کتب باہر کے مفکرین کو امتناناً ارسال کر سکیں۔ احباب نے اس سلسلے میں اپنی معاونت کا پورا پورا یقین دلایا۔

پمفلٹ اسکیم

محترم ظفر احسن محمود صاحب نے ادارہ کی پمفلٹ اسکیم کی افادیت بتاتے ہوئے کہا کہ یہ اسکیم ہنگامی صورتِ حالات میں بہت زیادہ مفید اور سود مند رہی ہے اور اگر کوئی فوری ملکی مسئلہ درپیش ہو تو ادارہ اپنا موقف عوام الناس تک ان پمفلٹس کے ذریعے ہی پہنچاتا ہے، اس لئے اس اسکیم میں بہت زیادہ سرگرمی کی ضرورت ہے اور اس کام میں مستقل مزاجی سے کام لینا چاہیئے۔ اس بارے میں احباب نے اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔

انشورنس

محترم ظفر احسن محمود صاحب نے گروپ انشورنس کی ایک ایسی اسکیم سے مندوبین کو آگاہ کیا جس سے کم از کم پریمیم سے کافی انشورنس ہو جاتی ہے۔ طے پایا کہ ادارہ اس اسکیم کی تفصیلات، بزموں کو بھیجے اور بزمیں اس میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیں تاکہ کسی رکن کی وفات کے بعد اس کے پسماندگان بالکل نادار اور محتاج نہ رہ جائیں۔ اس اسکیم کا بڑے امید افزا جذبات سے استقبال کیا گیا۔

طلوعِ اسلام میں بچوں کا صفحہ

بزمِ راولپنڈی کے نمائندہ محترم عزیز قریشی صاحب نے درج ذیل تجاویز پیش کیں۔

۱۔ ماہنامہ طلوعِ اسلام میں پہلے کی طرح بچوں کے صفحوں کا اضافہ کیا جائے۔

۲۔ طلوعِ اسلام کے دوسرے صفحہ پر "مسلک و مقصد" مسلسل شائع کیا جائے۔

۳۔ طلوعِ اسلام میں "مجلسِ اقبال" دوبارہ شروع کی جائے تاکہ قارئین علامہ اقبال ؒ کی قرآنی فکر

سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہو سکیں۔ یہ فکر طلوع اسلام کے سوا اور کوئی پیش نہیں کر سکتا۔

۴۔ طلوع اسلام میں ماہِ رمضان کے قریب "التزامات" تفصیلاً شائع کئے جایا کریں۔

۵۔ ادارہ کی طرف سے شائع کردہ کتاب "خدا اور سرمایہ دار" کا انگریزی میں ترجمہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ انگریزی خواں طبقہ اسلام کے معاشی نظام سے قطعاً بے بہرہ ہے، اسلئے اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بڑا مفید رہے گا۔

احباب نے ان تجاویز پر عملدرآمد کرنے کا فیصلہ ادارہ کی صوابدید پر چھوڑ دیا۔

اس کے بعد محترم ظفر احسن محمود صاحب نے ایک ایسا اعلان فرمایا جس کے لئے احباب صبح سے گوش برآواز تھے۔ مندوبین کا تقاضا تھا کہ طلوع اسلام کالج کے لئے جو زمین خریدی گئی ہے، وہ اسے ایک نظر دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ وہ تحریک کی امیدوں کی اس آماجگاہ کا منظر اپنے دامن نگاہ میں سمیٹ کر واپس جائیں۔ محترم ظفر صاحب نے اعلان فرمایا کہ باہر ٹیکسیاں انتظار میں ہیں۔ تشریف لے چلئے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے دل دادگانِ فکرِ قرآنی کا یہ کاروانِ شوق، نہر کے ساتھ ساتھ جانبِ منزل رواں دواں نظر آنے لگا۔ اگرچہ زمین کا وہ رقبہ اب بھی ویسا ہی ہے جیسا پہلے تھا لیکن ان اربابِ جنوں کے لئے یہ ویرانہ اب مینو سواد تھا۔ بڑے ہی جذب و شوق سے اس فضا کو دیکھا گیا اور محترم پرویز صاحب نے جب اس اسکیم کی تکمیل کے لئے اشک آلود آنکھوں کے ساتھ دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، تو کوئی دامن بھی ایسا نہ تھا جو آنسوؤں سے تر نہ ہو چکا ہو — یوں یہ قافلۂ شوق "صحرائے سبزہ" سے مراجعت فرمائے مرکز ہوا۔

دوسرا خصوصی پروگرام

بزمِ مذاکرہ

بروز ہفتہ ——— ۲½ بجے دوپہر

عام طور پر مذاکروں کا اہتمام محض کسی وقتی مسئلہ پر اظہارِ خیال کے لئے کیا جاتا ہے اور ان کی صورت بھی کچھ یوں ہوتی ہے کہ — نشستند و گفتند و برخاستند! — لیکن طلوع اسلام کے مذاکرہ کے دو پہلو ہوتے ہیں۔

ایک یہ کہ نئی نسل کے افراد کو اظہارِ خیال کا موقعہ دیا جائے، تاکہ وہ اپنے تأثرات بلاکم و کاست

سامنے لاسکیں۔

اور دوسرا یہ کہ مذاکرہ کا موضوع کوئی ہنگامی مسئلہ نہ ہو بلکہ زندگی کے کسی مستقل اور مثبت پہلو پر فکری بحث کی جائے۔

اس محفل کے لئے اسٹیج سیکرٹری کے فرائض سابقہ معمول کے مطابق، خود محترم پرویز صاحب نے سرانجام دیئے۔ محترم پرویز صاحب نے نئی نسل کی معاشرتی اہمیت کے بارے میں فرمایا کہ ملت کی زندگی میں نئی نسل کا دوسرا نام "ملت کا مستقبل" ہوتا ہے۔ اور جس قوم کا مستقبل تاریک ہو تو سمجھ لیجئے کہ وہ ذلیل و خوار ہو گئی۔ انہوں نے بتایا کہ اس مذاکرہ میں شریک نوجوان نسل کے سیل بے پناہ کو قرآن کے ساحلوں میں پابند کر دیا جاتا ہے تو پھر یہ وجہ سیرابی چمنستان کائنات بن جاتا ہے۔ آج کے مذاکرہ کا موضوع یہ پُر جلال مصرعہ ہے ؎

"جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی"

آپ دیکھئے کہ ہمارے نونہالان ملت نے زندگی کی اس اہم حقیقت کو کس طرح سمجھا ہے اور وہ اسے کس انداز سے پیش کرتے ہیں۔

محترم پرویز صاحب نے فرمایا کہ طلوع اسلام کی محفلوں میں زبان تو ایک طرف، نظر کو بھی بیباک نہیں ہونے دیا جاتا اور یہی وجہ ہے کہ یہ محفلیں جن میں قوم کے سلیم بیٹوں کے علاوہ طاہرہ بیٹیاں بھی شریک ہوتی ہیں، متانت و سنجیدگی اور شرافت و صاحت کا قابل رشک نمونہ ہوتی ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک!

انہوں نے کہا کہ "جو قوم عورت کا احترام کرنا نہیں جانتی اُسے صف انسانیت میں کھڑا ہونے کا کوئی حق نہیں"۔

اس کے بعد اعلان کیا گیا کہ اس محفل کی صدارت چمنستان قرآنی کی عندلیب، لاہور کے علمی گھرانے کی چشم و چراغ یعنی خلیفہ شجاع الدین (مرحوم) صدر انجمن حمایت اسلام و ممبر قومی اسمبلی کی بیٹی محترمہ ثریا عندلیب صاحبہ فرمائیں گی۔

اس کے بعد نغمہ سرائے چمنستان قرآنی محترم خلیل صاحب نے افتتاح، اقبالؒ کی اسی نظم سے کیا جس کا مصرعہ آج کے مذاکرہ کا موضوع تھا۔ یعنی

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

محترم خلیل صاحب نے نظم ختم کی اور اعلان ہوا کہ مذاکرہ کا افتتاح محترمہ ثریا عندلیب صاحبہ کے ارشادات سے ہوگا۔ محترمہ ثریا عندلیب صاحبہ مائیک پر تشریف لائیں اور اپنے پُر وقار لب و لہجہ میں فرمایا کہ میں اپنے

روحانی باپ اور معلّم محترم پرویز صاحب کی شکرگذار ہوں جن کے حسنِ نظر نے مجھے اس علمی محفل کی صدارت کے لئے چُنا۔ اِس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ آج سے دو سال قبل اس اسٹیج پر "آثار بتاتے ہیں سحر ہو کے رہیگی" کے موضوع پر نئی نسل کو اظہارِ خیال کا موقعہ دیا گیا تھا اور نمودِ سحر کے اعلان کے بعد اسی اسٹیج پر پچھلے سال' فضائے انسانیت کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں اعلان کیا گیا کہ "نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر"۔ یہی ہمارا مدعائے زندگی ہے اور عزمِ صمیم کے بعد عمل پیہم کی منزل کو طے کرنا ابھی باقی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ایمان محض زبانی اقرار کا نام نہیں بلکہ کشمکشِ حیات میں پامردی سے بڑے بڑے سنگ گراں کو پاش پاش کرنے کا نام ہے۔ انہوں نے کہا کہ "کشمکشِ حیات میں زندہ وہی رہتا ہے جو مرنے کے لئے تیار رہتا ہے"۔ اسی لئے آج کی محفل کا موضوع اقبالؒ کا یہ شعر ہے کہ

زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی

اس کے بعد محترمہ ثریا عندلیب صاحبہ کی بیٹی عزیزہ صالحہ نغمی نے اپنا مقالہ پڑھا' اور ان کے بعد جماعت نہم کے طالب علم عزیزی محمد جاوید نے اپنا دلچسپ مقالہ سنایا۔ اور پھر پروفیسر خالد سلام صاحب عزیزہ خالدہ ملک، محترم تنویر ظہور صاحب، عزیزہ مسرت چغتائی، غلام صابر (راقم الحروف) عزیزہ نوشابہ اور محترمہ عارفی سلطانہ صاحبہ نے اپنے اپنے مقالات پڑھے۔ آخر میں صحن خانہ پرویز کی بچیاں نجمہ اور سلمےٰ نے اپنے مقالے پڑھے۔

(چونکہ مقالات آئندہ طلوع اسلام میں شائع ہو جائینگے' اسلئے ان کی تفصیل درج نہیں کیگئی۔)

بزمِ کراچی کی ایک مخلص رکن' محترمہ بیگم رضا علی صاحبہ نے صحن خانہ پرویز کی دونوں بچیوں کو یکصد روپے کے انعام دینے کا اعلان کیا اور پھر بزمِ لاہور کے ایک دیرینہ ساتھی محترم یوسف علی ضیاء صاحب نے ان بچیوں کو ۳۰/- روپے کے انعام دینے کا اعلان کیا۔ صدرِ محفل محترمہ ثریا عندلیب صاحبہ نے جب یہ انعامات تقسیم کئے تو اسٹیج پر عزیزہ نجمہ نے اعلان کیا کہ "ہم یہ انعام قبول کرنے کے بعد یہ رقم کالج اسکیم میں جمع کراتی ہیں کیونکہ اس کا یہی صحیح مصرف ہے"۔

محترمہ ثریا عندلیب صاحبہ نے بار دیگر محترم پرویز صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے' شریک محفل سامعین کا بھی شکریہ ادا کیا جنہوں نے اس محفل کو دلجمعی سے سُنا۔

(۰)

تیسرا خصوصی پروگرام

ابلیس کی مجلسِ شوریٰ

بروز ہفتہ ——— ۶½ بجے شام

یہ ڈرامہ سابقہ کنونشن میں بھی پیش کیا گیا تھا لیکن اس بار اسے خاص ترمیمات کے ساتھ دہرایا گیا۔ چونکہ امسال کنونشن میں احباب کی توجہ خصوصی طور پر طلوع اسلام کالج کے قیام کیطرف مبذول کرائی گئی تھی، اسلئے ڈرامہ میں بھی کالج کے قیام کے بعد کی فضا کا جائزہ اور کالج کے اثرات کا مختصر سا خاکہ پیش کیا گیا تھا اور اس حقیقت سے پردہ اٹھایا گیا تھا کہ طلوع اسلام کالج کا قیام ایک نہایت مؤثر اجتماعی تبدیلی کا باعث ہوگا۔ بزم کراچی کے احباب جنہوں نے اپنی صلاحیتوں کو شب و روز کی محنت سے ایک بہترین پروگرام کی صورت میں پیش کیا ——— یقیناً اس داد و تحسین کے مستحق تھے جو انہیں ناظرین کی طرف سے نہایت فراواں ملی۔ اس بزم کے نمائندہ محترم محمد اسلام صاحب نے ڈرامہ کے اختتام کے بعد فرمایا "کہ ہماری بزم اس بات کا عزم کر چکی ہے کہ وہ اپنے رفقاء کی صلاحیتوں کو سکتوں میں تبدیل کر کے طلوعِ اسلام کالج کے قیام میں حصہ لیگی۔ لہٰذا ہمارا یہ ڈرامہ بھی دراصل اسی مقصد کی نشاندہی کرتا ہے۔ ہم یہ ڈرامہ کراچی میں بذریعہ ٹکٹ دکھائینگے اور اس سے جو رقم حاصل ہوگی اُسے قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی کی خدمت میں پیش کر دینگے۔ ڈرامہ کو "ایک گناہ" سمجھا جاتا ہے اور یقیناً ہمارے ملک میں اکثر ڈرامے گناہوں کے اندھیروں کو پھیلاتے ہیں لیکن یہ ڈرامہ جو ایک متعین مقصد کے لئے نہایت متین اور سنجیدہ انداز میں کھیلا گیا تھا، وہ اس فن کی افادیت کا پورا پورا احساس دلا رہا تھا اور اس حقیقت کو واضح کر رہا تھا کہ

سرود و شعر و سیاست، کتاب و دین و ہنر
اگر خودی کی حفاظت کریں تو عین حیات
نہ کر سکیں تو سراپا فسون و افسانہ!

اس ڈرامے کو دیکھنے کے بعد ہر شخص یہ کہہ رہا تھا کہ جس تحریک میں اس قسم کے کوہکن موجود ہوں وہ یقیناً ایک نہ ایک دن اپنی منزلوں تک رسائی حاصل کر لے گی۔ اسٹیج سے اعلان کیا گیا کہ اب احباب کھانا کھالیں، اور اس کے بعد اس تقریب کا دلچسپ ترین اجتماع یعنی مجلسِ استفسارات شروع ہوگی۔

چوتھا خصوصی پروگرام

مجلسِ اِستفسارات

بروز ہفتہ ——— ۸½ بجے شب

یہ مجلس ہر سال منعقد ہوتی ہے جس میں محترم پرویز صاحب سامعین کے استفسارات کے جوابات اپنے علم اور قرآنی بصیرت کی روشنی میں نہایت بلیغ لیکن بڑے شگفتہ انداز میں دیتے ہیں۔ یوں کہیئے کہ مذاکرہ اگر ان اجتماعات میں گلِ رنگیں کی کیفیت کا حامل ہوتا ہے تو مجلسِ استفسارات گلدستۂ معنی کی حیثیت رکھتی ہے۔ لوگوں نے اپنی اپنی نشستیں سنبھالی ہوئی ہیں اور محترم پرویز صاحب کے منتظر ہیں کہ وہ آئیں اور اُن کے سوالات کے جوابات دیں۔ اسٹیج پر بیسیوں سوالات پہنچ چکے ہیں اور ہر شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ پرویز صاحب اُس کے سوال کا جواب دیں۔

پرویز صاحب اسٹیج پر آئے۔ احباب نے نہایت جوش و مسرت سے اُن کا استقبال کیا۔ انہوں نے اسٹیج پر بکھری ہوئی سوالات کی چٹوں کو پڑھا اور چھانٹ کر علیحدہ رکھ لیا۔ اور پھر یوں فرمایا کہ

میں قرآن کا ادنیٰ سا طالب علم ہوں۔ میں نے قرآن پر غور و فکر میں اپنی عمر صَرف کی ہے میں اپنی فکر کو دوسروں تک پہنچاتا ہوں لیکن اُسے حرفِ آخر نہیں سمجھتا۔ غلطی اور سہو کا یقیناً امکان ہے لیکن میں نے جب بھی قرآن پر غور کیا ہے اپنے خیالات کو اس میں دخیل نہیں ہونے دیا ——— اور یہی وجہ ہے کہ قرآن نے مجھے کبھی اپنی بارگاہ سے مایوس واپس نہیں کیا۔

انہوں نے اس مجلس کے آداب بیان کرتے ہوئے کہا کہ

فرقہ بندی، نظری مسائل یا عملی سیاست سے متعلق سوالات میرے موضوع سے باہر ہیں کیونکہ اس قسم کے سوالات کے جوابات سے مناظرے کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور مناظروں نے آج تک کبھی فیصلہ کن بات نہیں کی۔ باقی رہے آپکے سوالات کے جوابات، تو اگر آپ ان سے مطمئن ہوں تو 'ہو المراد'۔ اور اگر کسی قسم کی تشنگی رہ جائے تو میرے ہاں (۲۵/بی گلبرگ میں) تشریف لائیں۔ میں مزید وضاحت سے آپ کے اطمینان کی کوشش کرونگا۔

اس مختصر سے تعارف کے بعد انہوں نے سوالات کے جوابات دینے شروع کئے۔ موضوعات کے اعتبار سے

سوالات مسجدِ اقصیٰ سے لے کر موسیقی کی حلت و حرمت تک کے وسیع میدانوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے مخصوص شگفتہ و شاداب انداز سے سوالات کا جواب دیا ـــــ کبھی محفل کو زعفران زار بناتے ہوئے، کبھی خونناب بار ـــــ ہمیں افسوس ہے کہ ان سوالات اور جوابات کی تفصیل پیش نہیں کیجا سکتی کیونکہ اڑھائی تین گھنٹوں پر مشتمل برجستہ مباحث کو ضبطِ تحریر میں لانا ہمارے بس کی بات نہیں!

سامعین پورے جذب و انہماک سے محترم پرویز صاحب کے ارشادات کو سن رہے تھے کہ انہوں نے اعلان کیا کہ رات کے گیارہ بج رہے ہیں۔ رات کا کافی حصہ گذر چکا ہے، اسلئے یہ محفل ختم کی جاتی ہے۔ پرویز صاحب کے اعلان کے باوجود لوگ اپنی نشستوں پر بیٹھے رہے کیونکہ انکی شگفتہ مزاجی سے محفل میں کافی رات گزر جانے کے باوجود لوگ مزاجاً تازگی سی ہی محسوس کر رہے تھے۔ پھر پرویز صاحب نے اعلان فرمایا کہ کل بروز اتوار صبح نو بجے موجودہ دور کے ایک اہم ترین موضوع "یعنی" قرآن کا معاشی نظام، پر درسِ قرآن ہوگا۔ احباب نے یہ مژدۂ جانفزا سنا اور اپنے اپنے رہائشی کیمپوں میں بغرضِ استراحت چلے گئے۔

پانچواں خصوصی پروگرام

درسِ قرآنِ کریم

بروز اتوار ـــــ (۱۹ر اکتوبر) ـــــ صبح ۹ بجے

چونکہ درس کے شروع ہونے میں ابھی وقت تھا، اس لئے اس وقفہ کو طلوعِ اسلام کالج اسکیم کے تعارف کے لئے غنیمت سمجھا گیا اور اجلاس محترم ڈاکٹر محمد حیات صاحب کی صدارت میں شروع ہوا۔ موصوف بزمِ لائلپور کے اُن مخلص احباب میں سے ہیں جو طلوعِ اسلام کالج کے قیام کے سلسلے میں اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود شب و روز کوشاں رہتے ہیں۔

محترم ظفر احسن محمود صاحب نے تلاوتِ قرآنِ کریم کے لئے بزمِ لائلپور کے رکن محترم حافظ محمد یونس صاحب کو بلایا۔ محترم حافظ صاحب نے اپنی پُرکشش آواز میں قرآن سنا کر محفل میں سرور و جانفزائی کی فضا پیدا کر دی۔ تلاوت کے بعد محترم خلیل صاحب کو کلامِ اقبال سنانے کی دعوت دی گئی۔ محترم خلیل صاحب نے اقبال کی یہ غزل شروع کی ؎

لا پھر اِک بار وہی بادہ و جام اے ساقی
ہاتھ آجائے مجھے میرا مقام اے ساقی

احباب کلامِ اقبالؒ سے لطف اندوز ہو ہی رہے تھے کہ اعلان ہوا کہ محترم محمد اسلام صاحب اپنا مقالہ پیش کریں گے۔ ان کے مقالہ کا موضوع تھا "علم اور طلوعِ اسلام کالج" مقالہ نہایت پُر مغز اور بصیرت افروز تھا چونکہ یہ طلوعِ اسلام میں شائع ہوگا اسلئے تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔

محترم اسلام صاحب کے بعد محترم ظفر احسن محمود صاحب نے "الزامات کی تردید" کے موضوع پر اظہار خیال فرماتے ہوئے کہا کہ طلوعِ اسلام پر کئی ایک الزامات آئے دن لگائے جاتے ہیں جن کی درحقیقت کوئی بنیاد ہی نہیں ہوتی۔ مثلاً طلوعِ اسلام کی آواز کو سوشلزم کی آواز کہہ دیا جاتا ہے جو سراسر بہتان اور الزام ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اسلام اور کمیونزم کی بنیادی نظریاتی اور متضاد راہوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ علاوہ خالصتہً نظری اور اعتقادی اختلاف کے، دونوں کے طریق کار میں جو فرق ہے وہ اس قدر گہرا اور وسیع ہے کہ ان میں یگانگت تو ایک طرف، مفاہمت بھی ناممکن ہے۔ کمیونزم کا طریق کار فتنہ فساد، مار دھاڑ، لوٹ کھسوٹ، خون، آگ، تخریب، گھیراؤ کا جبر ہے۔ اسکے برعکس قرآن کا طریق کار، قلب و نگاہ کی تبدیلی سے ایک ایسے معاشرہ کا قیام ہے جس میں قرآن کی مستقل اقدار کا اتباع بہ طیب خاطر ہوتا چلا جائے۔ طلوعِ اسلام اسی طریق کا داعی ہے اور کمیونزم کے نظریۂ حیات کی طرح اس کے فساد انگیز طریق کار کی بھی شدت سے مخالفت کرتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ اس موضوع پر ایک مبسوط مقالہ لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں جسے طلوعِ اسلام میں شائع کرا دیا جائے گا۔

محترم ظفر احسن محمود صاحب کے ارشادات کے بعد محترم شیخ سراج الحق صاحب سیکرٹری قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی نے طلوعِ اسلام کالج اسکیم کا تعارف مختصر لیکن نہایت جامع الفاظ میں کرایا اور پھر کالج کے لئے مالی معاونت کی لوگوں سے اپیل کی تاکہ یہ پراجیکٹ جلد سے جلد تکمیل پذیر ہو جائے۔

محترم شیخ سراج الحق صاحب کے خطاب کے بعد محترم ظفر احسن محمود صاحب نے اعلان فرمایا کہ اب پرویز صاحب کا درس قرآن شروع ہوتا ہے۔ اسکا موضوع ہے "قرآن کا معاشی نظام"۔ اس وقت درس کا وسیع میدان حاضرین کی کثرت سے اپنی تنگیٔ داماں کا شکوہ سنج تھا۔ حاضرین کے مزید انتظار کو ختم کرنے کے لئے پرویز صاحب اسٹیج پر آئے اور حمد و سلام کے بعد اپنا درس شروع کیا۔

(چونکہ یہ درس طلوعِ اسلام نومبر ۱۹۶۹ء کی اشاعت میں شائع ہو چکا ہے اسلئے اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں)

درس دوپہر ۱۲½ بجے ختم ہوا۔

کنونشن کا چوتھا اور آخری اجلاس

قرار دادیں

بروز اتوار ______ ۱۲ ۱/۲ بجے دوپہر

کنونشن کے اس اجلاس میں محترم ظفر احسن محمود صاحب نے اعلان فرمایا کہ اب مختلف قرار دادیں پیش کی جائیں گی۔

محترم خلیل صاحب نے بزم لاہور کی طرف سے تمام نمائندگان کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے کنونشن میں اپنے ساتھیوں سمیت رونق کو دوبالا کیا۔

اس کے بعد عزیز قریشی صاحب نے بزم راولپنڈی کی طرف سے بزم لاہور کے جملہ ارکان و معاونین کے کنونشن کے حسن انتظامات اور میزبانی کے فرائض کی حسن کارانہ انجام دہی پر شکریہ کی قرار داد پیش کی۔

محترم ظفر احسن محمود صاحب نے محترم شیخ سراج الحق صاحب کے شکریہ کی قرار داد پیش کی کہ انہوں نے کمال وسیع القلبی سے اپنے گھر کے دروازے کنونشن کے جملہ انتظامات کے لئے کھول دیئے۔ اس قرار داد کو سب نے بالاتفاق منظور کیا۔ سوائے محترم شیخ سراج الحق صاحب کے۔ انہوں نے اپنے اختلاف کی وجہ یہ بیان کی کہ یہ میرا فرض تھا جسے میں نے ادا کیا ہے جس پر کسی تحریری قرار داد کی ضرورت نہیں۔

اسکے بعد محترم پرویز صاحب نے بزم راولپنڈی کے ایک انتھک کارکن محترم جناب ملک ظہور صاحب کی۔ جو انکے درسِ قرآن کو ٹیپ سے کاغذ پر منتقل کرنیکا محنتِ شاقہ کا کام سرانجام دے رہے ہیں۔ اس کوہ کنی اور خارہ شگافی پر پُرخلوص شکریہ ادا کیا۔ اور کہا کہ یہ کام اس مسلسل انداز سے عشق کے سوا اور کوئی قوت نہیں کروا سکتی۔ تمام شریکِ محفل احباب نے تالیوں سے محترم ملک صاحب کی محنت پر خوشی کا اظہار کیا۔

بعد ازیں محترم اسلام صاحب نے 'طلوعِ اسلام' کا انڈکس جسے انہوں نے ایک خوبصورت مجلد کتاب کی شکل میں پیش کیا برائے فروخت پیش کیا تاکہ اس سے کالج اسکیم میں چندہ جمع کر دیا جا سکے۔ محترم پرویز صاحب نے فرمایا کہ "اسکی قیمت کون دے سکتا ہے"۔ بہر حال اس انڈکس کو شائع کرنے کا منصوبہ بنایا گیا جسے تمام احباب نے منظور کیا۔

بزم کوئٹہ کے محترم قدیر احمد خان صاحب سٹیج پر تشریف لائے اور فرمایا کہ ہماری تحریک کے سامنے اب ایک ہی کام ہے یعنی طلوعِ اسلام کالج کا قیام اور اس کے لئے شب و روز محنت کی ضرورت ہے تاکہ یہ کام جلد سے جلد تکمیل پذیر ہو۔ انہوں نے کہا۔ اس جدوجہد میں ہمیں اپنی بہنوں، بیٹیوں اور بیویوں کو بھی شامل کرنا چاہیئے تاکہ ہماری کوششیں جلد از جلد ثمر آور ہوں۔ محترم قدیر احمد خانصاحب کی اس قرار داد پر تمام احباب نے لبیک کہا اور عزم کیا کہ وہ اس کے لئے اپنی زندگیوں کے ہر لمحے کو وقف کر دینگے۔

ان قرار دادوں کے بعد ان بیکراں عزم و استقلال کا یہ اجلاس قریباً ۱ ۱/۲ بجے دوپہر ختم ہوا۔

الوداعی خطاب

بروز اتوار ——— ۲ بجے دوپہر

قدم قدم پہ بگولے اٹھائے ظلمت نے
مگر رُکا نہ کہیں قافلہ اجالوں کا

لیجئے وہ لمحہ آگیا جب یہ پیکرانِ خلوص و محبت اپنی تین دن کی پُرکیف رفاقتوں کے بعد ایک دوسرے سے بچھڑنے کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔ احباب سے جدا ہونے کے موقع پر پرویز صاحب نے اپنی مختصر سی تقریر میں فرمایا کہ "بعض اوقات ایسے لوگوں پر جن کی شگفتہ بیانی اور سحر طرازی کی دھوم مچی ہوتی ہے' ایسے لمحات آجاتے ہیں جب جذبات انکے سینے کی گہرائیوں سے تو ابھرتے ہیں لیکن شدتِ جذبات سے وہ حلق میں اٹک کر رہ جاتے ہیں اور الفاظ کی شکل میں لب تک آنے کے بجائے' نوکِ مژگاں سے آنسو بن کر ٹپک پڑتے ہیں۔ میری عزیزانِ گرامی قدر! اس وقت یہی کیفیت ہے۔ آپ تشریف لاتے ہیں تو میری خوش بختیاں پُر بہار ہو جاتی ہیں۔ لیکن ابھی میں ان کیفیتوں سے پورے طور پر سرشار ہونے بھی نہیں پاتا کہ آپ رختِ سفر باندھنا شروع کر دیتے ہیں۔ بایں ہمہ یہ احساس میرے لئے حیاتِ تازہ کی نوید بن جاتا ہے کہ جس طرح آپ کا آنا اس مقصدِ عظیم کے حصول کے لئے ہے جس کے لئے آپ نے اپنے وقت اور توانائیوں کو وقف کر رکھا ہے' اسی طرح آپکا جانا بھی اسی پروگرام کی تکمیل کے لئے ہے۔ لہٰذا آپ جائیے ہیں تو میری دعائے سحر گاہی آپکے ہمدوش ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ آپ احباب کے عزم کو جوان اور ہمتوں کو تازہ رکھے کہ اس وقت فضائے عالم میں قرآنِ خالص کی آواز آپ ہی کی مساعی جمیلہ کی بدولت بلند ہو رہی ہے"۔

اس کے بعد انہوں نے ان الفاظ سے احباب کو الوداع کہا کہ

بہت مختصر تھے محبت کے لمحے
مگر پھر بھی ہر لمحہ اِک زندگی تھا

پرویز صاحب کے ان الوداعی الفاظ سے اگرچہ ہر آنکھ پُرنم تھی لیکن اس میں تازہ امیدوں کی جھلک عجیب قوسِ قزح کا منظر پیدا کر رہی تھی۔ رفقاء آگے بڑھے۔ اپنے سالارِ کارواں سے مصافحہ کیا۔ بہت سے وفورِ جذبات سے گلے بھی ملے۔ اور پھر جب یہ افرادِ کاروانِ قرآنی رخصت ہوئے تو در و دیوار سے یہ آواز آرہی تھی کہ

وداع و وصل جداگانہ لذتے دارد
ہزار بار برو صد ہزار بار بیا

طلوعِ اسلام کنونشن
۱۹۶۹ء

باسمہٖ تعالیٰ

رپورٹ

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام - مرزا محمد خلیل صاحب!

رفقائے گرامی قدر!

عزیزانِ طلوعِ اسلام کی یہ بارھویں سالانہ کنونشن آپ سب کو مبارک ہو۔ آج ایک سال کے بعد ربط باہمی کی یہ مجلس پھر آراستہ ہوئی ہے۔ میں ادارہ طلوعِ اسلام کی طرف سے اس مبارک موقع پر آپ احباب کی بصد ذوق وشوق جوق در جوق آمد پر خوش آمدید کہتا ہوں۔ آپ کی تشریف آوری سے اس فضا میں کیف و مستی کا نشاط انگیز سماں بندھ رہا ہے۔ ہر طرف جذب و مسرت سے دلوں کے آبگینے لبریز نظر آ رہے ہیں۔ شگفتہ امنگوں اور کوہ پیما عزائم کی ایک نئی بساط بچھ رہی ہے۔ للہ الحمد کہ پھر ایک بار ہم اس قابل ہیں کہ گذرگاہِ حیات پر فکرِ قرآنی کی جس روشنی کو آگے بڑھانے اور چار دانگِ عالم میں پھیلانے کے لئے کئی سال ہوئے آمادۂ سفر ہوئے تھے اس کا سامانِ سفر تازہ کر لیں اور نئی تدابیر و تقسیمِ عمل زیرِ غور لائیں۔ آثار بتا رہے ہیں کہ آپ کی یہ تحریک ایک نئے دور کی سحر کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔ جن جن حلقوں میں آپ آباد ہیں، وہاں آپ کی امکانی کوششوں سے دعوتِ قرآنی کی شمعیں جلوہ بار ادر اسکی خاموش لیکن انقلاب آور آواز فردوسِ گوش بنتی جا رہی ہے۔ یہ اس مخالفت کے علی الرغم ہے جو مفاد پرست طبقہ کی طرف سے پوری شدت کے ساتھ جاری ہے۔ اب یہ تھوڑے سے وقت کی بات ہے۔ گھٹائیں چھٹ کر رہیں گی۔ قرآن کے جس پیغامِ حیات آور کے آپ احباب نقیب ہیں، اس کے اثرات فضا کی پہنائیوں میں بڑی تیزی سے پھیلتے اور دلوں کی گہرائیوں میں جاگزیں ہو رہے ہیں۔ لیکن اسکے لئے آپ احباب کیطرف سے کوششِ پیہم و مربوط شرطِ لاینفک ہے جس کا جائزہ لینے کے لئے آپ ان سالانہ اجتماعات میں مستقبل کے لئے تعمیری منصوبے طے کرتے ہیں اور ان پر عمل درآمد کا وعدہ کر کے خدا اور اسلام کی بارگاہ میں سرخرو ہونے کے لئے کوشاں ہوتے ہیں۔ کنونشن کے ان اجتماعات میں آپ باہم مل کر بیٹھ

کچھ سوچتے ہیں، اسے قرار دادوں کی صورت میں آخری شکل دیتے ہیں اور انہیں عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنے اپنے مقامات کو واپس ہوتے ہیں۔ ان فیصلوں کی تکمیل ہی وہ پیمانہ (YARD STICK) ہے جس سے آپ اپنی اختیار کردہ راہ پر اپنی منزلِ مراد کو قریب لا سکتے ہیں۔ اس کے بعد یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس کا بھی جائزہ لیں کہ ان قرار دادوں پر کس حد تک عمل ہوا ہے۔ کنونیشن کی مختلف نشستوں میں اس امر کا جائزہ لیا جائیگا۔

---(۱)---

۲۔ عزیزانِ من! جیسا کہ آپ کو معلوم ہے یہ سال ملک کے لئے عجیب خلفشار اور انتشار کا زمانہ رہا اور لاہور میں یہ ہنگامے انتہائی شدت تک پہنچتے رہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہم ان ہنگاموں کے شعلوں کی لپک سے محفوظ رہے۔ ہم نہ عملی سیاست میں حصّہ لیتے ہیں نہ ہنگامہ خیزی اور غوغا آرائی ہمارا مسلک ہے۔ اسلئے ہم اپنی تحریک کے مقاصد کی رُو سے پُر امن رہنے پر پابند ہیں۔ لیکن اِن ہنگاموں کا جو عمومی اثر پورے ملک پر ہوا، اُس سے تو کوئی بھی محفوظ نہیں رہ سکتا تھا۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ اِس سال ہماری سرگرمیاں نسبتاً سست رفتار رہیں۔ ہم ہر سال مختلف دینی اور ملّی تقاریب پر شہر میں اجتماعات منعقد کیا کرتے تھے۔ اس سال وہ بھی نہ کر سکے۔ بایں ہمہ ہم نے ان تقاریب کی یاد کو قائم رکھا اور اپنے اسی مرکز میں انہیں اپنے طور پر منالیا گیا۔ ان کی تفصیلات آپ نے طلوعِ اسلام میں دیکھ لی ہونگی۔

اسی طرح اس کا اثر پرویز صاحب کے بیرونِ لاہور کے دوروں پر بھی پڑا۔ وہ کہیں باہر جا ہی نہیں سکے۔ اگرچہ اس کیلئے احباب کا اصرار برابر رہا۔

۳۔ یہ تو آپ احباب کو معلوم ہی ہے کہ ہماری تحریک کو کہیں سے کوئی امداد نہیں ملتی۔ اس کے جملہ پروگرام آپ احباب کے تعاون کے رہینِ منت ہوتے ہیں۔ جن حالات کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے ان کی وجہ سے امسال ادارہ پمفلٹوں کی اشاعت کے کام کو بھی کماحقہٗ جاری نہ رکھ سکا۔ لیکن ایک وقت ایسا آیا جس میں تحریک سے متعلق ہمارے بعض مخلص احباب نے اس کا احساس کیا کہ وقت کا تقاضا ہے کہ قرآنی فکر کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اس کے لئے خصوصی فنڈ مہیا کیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں مختلف پمفلٹ کثیر تعداد میں چھپوا کر شائع کئے گئے۔ اس کا اثر خاطر خواہ ہوا۔ ادارہ ان تمام معاونین کا تہِ دل سے شکر گذار ہے۔

۴۔ کتابوں کی اشاعت کی رفتار میں بھی کمی آگئی۔ چنانچہ اس سال ہم صرف تین کتابیں شائع کر سکے۔ یعنی "طاہرہ کے نام خطوط" کا دوسرا ایڈیشن اور دوسری وہ کتاب جسے میں نہایت فخر اور مسرت کے ساتھ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔ یعنی سلسلۂ معارف القرآن کی آخری کڑی ——— "جہانِ فردا"۔ جس کے متعلق میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اپنے اہم، دقیق اور نازک موضوع پر اس قسم کی کتاب ہمارے اسلامی

لٹریچر میں کہیں نہیں ملے گی۔

سالِ گزشتہ پرویز صاحب کے اہم خطاب کا عنوان تھا ۔۔ "عالمگیر افسانے جنہیں حقیقت سمجھ لیا گیا"۔ اِس خطاب کو ایک حسین کتابچہ کی شکل میں شائع کر کے کنونشن کی تقریب پر پیش خدمت کیا جا رہا ہے۔ یہ بھی کنونشن کا نادر تحفہ ہوگا۔ اس مقام پر میری زبان پر بلا ساختہ اُس مردِ کوہ کن کا نام آجاتا ہے جس کی دن رات کی خارہ شگافی کے بغیر کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ منجمد ہو کر رہ جاتا ۔۔۔ یہ ہیں میرے دائیں بازو، محترم شیخ عبدالحمید صاحب جنہوں نے زمانہ قدیم کے عشق کی داستانوں کو تازہ کر دیا ہے۔ دعا ہے کہ

تیرے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے!

اس کے ساتھ ہی مجھے تھوڑے سے تأسف کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ سلسلہ معارف القرآن کی جن کتابوں کے پہلے ایڈیشن ختم ہو چکے ہیں ان کے نئے ایڈیشن کتابت شدہ طباعت کے لئے تیار ہیں لیکن وہ وسائل کی کمی کی وجہ سے اشاعت پذیر نہیں ہو سکیں۔ اسی طرح مکمل مفہوم القرآن کا انگریزی ترجمہ بھی مساعدت وقت کا انتظار کر رہا ہے۔ مفکرِ قرآن "تبویب القرآن" کی تدوین میں بدستور منہمک ہیں لیکن ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ ایک ایسا بحرِ زخار ہے کہ میں جوں جوں آگے بڑھتا ہوں سامنے کا کنارہ اور پیچھے ہٹتا چلا جاتا ہے اور ہم سے بھی جب اس کا ذکر آتا ہے تو اُن سے یہی عرض کیا جاتا ہے کہ

گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کر!

۱۵۔ پرویز صاحب کے درسِ قرآن کریم کا سلسلہ جس کا آغاز ۱۷ مارچ ۱۹۶۵ء کو ہوا تھا جو سے رواں کی طرح بدستور جاری ہے جب تکمیل درسِ قرآن کریم کے بعد اسے ازسرِ نو شروع کرنے کا فیصلہ کیا تو بعض احباب نے سمجھا کہ یہ پہلے درسوں کا اعادہ ہی ہوگا لیکن دو چار درسوں کے بعد ہی یہ حقیقت سامنے آ گئی کہ یہ نقشِ ثانی، نقشِ اول سے کہیں زیادہ وسیع، واضح، حقیقت کشا، بصیرت افروز اور فکر انگیز ہے۔ اور کسی مقام پر یہ محسوس نہیں ہوتا کہ جو کچھ ہم سن رہے ہیں وہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے۔ اس کی وضاحت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اس ڈیڑھ سال کے عرصہ میں ہم سورۃ آلِ عمران کی ابتدائی آیات تک پہنچ پائے ہیں۔ بعض اوقات دو دو چار چار لفظوں کی تشریح میں پورا درس ختم ہو جاتا ہے۔ سامعین میں نت نیا اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے اور مقامِ صد مسرت ہے کہ اب نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ نے اس میں کافی دلچسپی لینی شروع کر دی ہے کس قدر خوش بخت ہیں وہ احباب جنہیں اس درس میں شرکت کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔ للہ الحمد۔ کہ ٹیپ ریکارڈرز کے ذریعے اس درس کی اشاعت کا سلسلہ نہایت عمدگی سے چل رہا ہے اور پاکستان کے مختلف شہروں کے علاوہ بیرونِ پاکستان کے بعض ملکوں کی فضا بھی خدا کی اس کتابِ عظیم کی روشنی سے

سنور ہو رہی ہے۔

۶۔ بحیثیت ناظم ادارہ' میں اپنا فریضہ سمجھتا ہوں کہ مختلف بزموں نے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق جس حرکت و حرارت اور جس جذب و انہماک سے قرآنی فکر کی نشر و اشاعت میں حصہ لیا ہے' اسکے لئے اُن کا تہ دل سے شکریہ ادا کروں۔ یہ ان کے تعاون ہی کا نتیجہ ہے کہ اس قدر بے سروسامانی کے باوجود قرآن کی یہ آواز ملک کی پوری فضا پر چھائے جا رہی ہے۔ میں بغرضِ اختصاص نہیں بلکہ بطور تحدیثِ نعمت یہ عرض کروں گا کہ بزم کراچی نے اپنی مساعی کو حسبِ معمول جاری رکھا۔ بزم لائل پور نے نہایت حسین کروٹ لی اور بزم ملتان 'مسابقت فی الخیرات' میں حیرت انگیز طور پر آگے نکل گئی۔ یہ بزمیں ہمارے خصوصی شکریہ کی مستحق ہیں۔

۷۔ اس وقت تحریک کی سب سے اہم سکیم رسالہ کی اشاعت سے متعلق ہے' تین سال اُدھر سے پہلے رسالہ کے تمام نقصانات بانی تحریک (پرویز صاحب) خود برداشت کرتے چلے آ رہے تھے۔ جب یہ بوجھ اُن کی برداشت سے بڑھ گیا تو ۱۹۶۶ء میں آپ احباب نے اس ذمے داری کو اپنے سر لیا اور یوں رسالہ کی اشاعتی سکیم کا آغاز ہوا۔ اس کی اشاعت کیلئے جو ہدف مقرر کیا گیا تھا ہم ہنوز اس تک تو نہیں پہنچ سکے، لیکن اس میں معتدبہ اضافہ ضرور ہوا ہے۔ جہاں تک اس کی آمد و خرچ کا تعلق ہے' سال گزشتہ ہم اسے بصد مشکل برابر برابر کر سکے ہیں۔ (خسارہ سمٹ کر ایک سو روپیہ کا رہ گیا ہے) اس کے بعد ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ آئندہ سال اس کی اشاعت میں اور اضافہ ہو جائے۔ آپ احباب کی اطلاع کے لئے میں آمد و خرچ کا گوشوارہ رپورٹ کے ساتھ منسلک کر رہا ہوں۔ آپ اخراجات کی مد میں دیکھیں گے کہ کوئی چھوٹی سے چھوٹی رقم بھی ایسی نہیں جو رسالہ کے علاوہ کسی اور ضمن میں خرچ کی گئی ہو۔ یعنی خرچ کی پوری میزان خالصتہً رسالہ کے اخراجات پر مشتمل ہے۔ اس سلسلے میں یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ان اخراجات میں نہ مکان کا کرایہ شامل ہے (جو پرویز صاحب ذاتی ہے) نہ بجلی پانی کا خرچ (جسے پرویز صاحب خود ادا کرتے ہیں)۔ نہ ناظم ادارہ ایک پائی بھی لیتا ہے اور نہ ہی رسالہ کا ایڈیٹر۔ مکان کا کرایہ اور مینیجر کی تنخواہ کا آپ اندازہ لگا لیجئے۔ ایڈیٹر کی تنخواہ کے متعلق میں اتنا عرض کر دینا کافی سمجھتا ہوں کہ ادارۂ تحقیقات اسلامی کی طرف سے ایک ماہوار رسالہ 'فکر و نظر' شائع ہوتا ہے۔ ضخامت 'طلوع اسلام' جتنی اور تقطیع اس سے بھی چھوٹی۔ اس ادارہ کی طرف سے دیئے گئے اعداد و شمار کی رُو سے ایڈیٹر کی تنخواہ ۔/۲۶۰ روپے ماہوار اور ان کے ساتھ ایک اور ایڈیٹر جس کی تنخواہ ۔/۱۲۵ روپے۔ مجلس ادارت میں دو حضرات شامل ہیں جو دیگر امور کے علاوہ رسالہ کی نگرانی کرتے ہیں۔ اُن میں سے ایک

کی تنخواہ ۔/۲۰۰۰ روپے ماہوار اور دوسرے کی ۱۲۷۵/- روپے۔ رسالہ میں دوسرے لکھنے والوں کے جو مضامین شائع ہوتے ہیں، ان کا معاوضہ دیا جاتا ہے، اور ان مضامین میں سے کسی کی ذمہ داری نہ ادارہ لیتا ہے نہ ایڈیٹر۔

آپ احباب غور فرمالیجئے کہ اگر آپ کے رسالہ طلوع اسلام کے اخراجات میں مکان کا کرایہ وغیرہ، مینجر کی تنخواہ اور ایڈیٹر کا مشاہرہ بھی شامل کر لیا جائے، تو رسالہ کی کل آمدنی انہیں مدات کی نظر ہو جائے۔ بہرحال اس قدر اعزازی طور پر خدمات سرانجام دینے کے باوجود رسالہ بمشکل اپنے اخراجات پورے کرنے کے قابل ہوا ہے۔ اگر اس میں کبھی کوئی منافع ہوا تو اسے بھی رسالہ کی توسیع اشاعت کے لئے خرچ کیا جائے گا۔ ہماری تحریک مشنری (تبلیغی) ہے، کاروباری نہیں۔ اور یہ آپکو معلوم ہی ہے کہ رسالہ اور کتابوں کی فروخت اور رفقا کے تعاون کے علاوہ ہماری تحریک کا کوئی ذریعہ آمدنی نہیں۔

چونکہ تحریک سے متعلق مختلف تجاویز پر کنونشن کی مختلف نشستوں میں غور و خوض ہوگا اور اُن میں اشاعتی اسکیم بھی شامل ہے، اس لئے میں اس اسکیم کے مستقبل کے متعلق اس رپورٹ میں کچھ عرض کرنا قبل از وقت سمجھتا ہوں۔

شکریہ

آخر میں میں بزم لاہور کے جملہ رفقاء کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی مساعی جمیلہ سے تحریک سے متعلق ضروری پروگرام اور کنونشن کے سلسلہ میں تمام انتظامات بحسن و خوبی تکمیل پذیر ہوتے ہیں۔ نیز میں جملہ بزمہائے طلوع اسلام کا بھی سپاس گذار ہوں جن کے حسن تعاون سے تحریک توقع سے کہیں زیادہ تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے اور سب سے آخر میں بدرگاہِ رب العزت سجدہ ریز ہوں جس کے سحاب کرم کی آبیاری سے یہ شجرِ طیب اس طرح بڑھتا، پھولتا پھلتا جا رہا ہے۔ والسلام!

عید کے سلسلہ میں خصوصی درس قرآن کریم

اتوار مورخہ ۷ دسمبر کی صبح نو بجے ۲۵/بی گلبرگ (لاہور) میں پرویز صاحب کا خصوصی درس قرآن ہوگا۔ بروقت تشریف لے آیئے تاکہ آپکو اطمینان بخش جگہ مل جائے۔ درس میں مستورات کے لئے پردہ کا خاص انتظام ہوتا ہے۔

نمائندہ بزم طلوع اسلام ۔ لاہور

قرآنی عید کارڈ مکتبہ دین و دانش چوک اردو بازار لاہور سے مل سکتے ہیں

طلوعِ اسلام کالج

سیکرٹری قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی کی سالانہ رپورٹ جو ۱۹۶۹ء کی کنونشن میں پیش ہوئی

برادرانِ گرامی قدر!

طلوعِ اسلام کالج اسکیم کا تعارفی پمفلٹ آپ کی نظر سے گذر چکا ہے۔ آج میں اس امر کے اظہار میں انتہائی خوشی محسوس کر رہا ہوں کہ گذشتہ کنونشن کے موقعہ پر خدا کے نام سے جو عزم راسخ آپ نے کیا تھا، اُسے بارگاہِ الٰہی سے شرفِ قبولیت حاصل ہو گیا۔ اب ہمیں اپنی منزل سامنے نظر آ رہی ہے۔ سب سے پہلا مرحلہ زمین حاصل کرنے کا تھا۔ اس وقت تک ۸۰ کنال زمین اُن عطیات سے جو اسی مقصد کے لئے قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی کو وصول ہوتے رہے تھے، خریدی گئی ہے۔ امید ہے کہ اس ماہ کے آخر تک اس زمین کا انتقال سوسائٹی کے نام مکمل ہو جائے گا۔ اس زمین سے ملحق مزید ۱۶ کنال زمین کا رقبہ اسکیم کی تکمیل کے لئے خریدنا ضروری ہے کیونکہ ابتداء میں کالج کی عمارت کے لئے ۹۶ کنال کا رقبہ درکار ہوگا۔ اس زمین کے خریدنے کا انتظام بھی ہو رہا ہے جس کی قیمت کا اندازہ مبلغ ۳,۵۰,۰۰۰/- روپے لگایا جا رہا ہے۔ کالج اور متعلقہ عمارات کے نقشے تیار کرنے کے لئے ایک ماہر آرکیٹیکٹ کی خدمات حاصل کر لی گئی ہیں اور کوشش ہو رہی ہے کہ تعمیر کا کام جنوری ۱۹۷۰ء سے شروع کر دیا جاوے گا تاکہ ہم آئندہ سال انٹرمیڈیٹ کی پہلی کلاس سے تعلیم کا آغاز کر سکیں۔ تعلیمی پروگرام ماہرینِ تعلیم کے مشورہ سے طے پا رہا ہے۔

امسال مئی سے پہلے کالج فنڈ میں مبلغ ۲۶,۱۳۹/- روپے کی رقم جمع تھی۔ اس رقم کے معطیان کی فہرست وقتاً فوقتاً طلوعِ اسلام میں شائع ہوتی رہی ہے۔ ماہ مئی میں جب مختلف احباب کی طرف سے زمین کے حصول کے لئے عطیات مل جانے کا اطمینان ہو گیا تو ہم نے آپ حضرات کے تعاون سے کالج کی تعمیر کے لئے فنڈ فراہم کرنے کی مہم کو ازسرِ نو شروع کر دیا جس کا نتیجہ بہت حوصلہ افزا ثابت ہوا ہے۔ ماہ مئی سے اب تک (یعنی

۱۰ نومبر ۱۹۶۹ء تک جس قدر عطیات وصول ہوئے یا اُن کے لئے وعدے ہوئے ان کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

فہرست (الف)

وہ حضرات جن میں سے ہر ایک نے زمین خریدنے کے لئے مبلغ -/۲۵۰۰ روپے کا گراں قدر عطیہ عنایت فرمایا ہے:۔

۱:۔ بانیٔ تحریک محترم پرویز صاحب
۳:۔ محترم عطاء الرحمٰن ارائیں صاحب - لاہور
۵:۔ ڈاکٹر صلاح الدین اکبر صاحب - لاہور
۷:۔ چودھری حبیب اللہ صاحب۔ لاہور چھاؤنی
۹:۔ محترم عمران شیخ صاحب۔ کراچی
۱۱:۔ محترم انتظار رشید صاحب۔ نوابانوالہ۔ لائلپور۔
۱۳:۔ محترم احمد یار خانصاحب لائلپور۔
۱۵:۔ محترم حبیب الرحمٰن صاحب۔ نوابانوالہ۔ لائلپور۔
۱۷:۔ محترم خالد بن مسعود نیازی صاحب۔ لاہور چھاؤنی۔
۱۹:۔ کیپٹن ڈاکٹر محمد عبدالحفیظ صاحب گوجرہ۔
۲۱:۔ ڈاکٹر محمد صادق صاحب۔ میاں چنوں
۲۳:۔ محترم محمد محسن صاحب۔ لاہور
۲۵:۔ ڈاکٹر سرور جنگ مرزا صاحب۔ لاہور
۲۷:۔ محترمہ طیبہ عثمان صاحبہ۔ سرگودہا
۲۹:۔ محترم سلیم حیدر صاحب۔ پتوکی۔
۳۱:۔ محترم شمس الزمان صاحب۔ دیال سنگھ کالج۔ لاہور
۳۳:۔ بریگیڈیئر شیریں دل خان نیازی صاحب۔ لاہور
۳۵:۔ کیپٹن خالد نواز صاحب۔ لاہور
۳۷:۔ محترمہ فضیلت رفیق صاحبہ۔ سیالکوٹ
۳۹:۔ محترم محمد شریف صاحب۔ لاہور

۲:۔ ڈاکٹر محمد عثمان خان صاحب۔ لاہور
۴:۔ بیگم عبدالرحمٰن ارائیں صاحبہ۔ لاہور
۶:۔ محترمہ ثریا عندلیب صاحبہ۔ لاہور
۸:۔ میجر نثار محمد خان صاحب۔ لاہور چھاؤنی۔
۱۰:۔ محترم جاوید رشید صاحب۔ نوابانوالہ۔ لائلپور
۱۲:۔ محترم ذوالفقار رشید صاحب۔ نوابانوالہ۔ لائلپور۔
۱۴:۔ بیگم احمد یار خانصاحب۔ لائلپور۔
۱۶:۔ ڈاکٹر سید رضی واسطی صاحب۔ گورنمنٹ کالج۔ لاہور
۱۸:۔ محترم خالد سلام صاحب۔ انجینئرنگ کالج۔ لاہور
۲۰:۔ محترم مختار احمد صدیقی صاحب۔ لاہور۔
۲۲:۔ محترم عبداللطیف نظامی صاحب لاہور۔
۲۴:۔ محترم نذیر حسین عارف صاحب۔ لائلپور
۲۶:۔ محترم محمد احمد صاحب۔ سمندری۔
۲۸:۔ محترم سلیم حیات ملک صاحب لائلپور۔
۳۰:۔ محترم عبدالحمید قریشی صاحب۔ کراچی۔
۳۲:۔ محترمہ عابدہ شمیم صاحبہ۔ لاہور
۳۴:۔ بریگیڈیئر ملک محمد نواز صاحب کھاریاں۔
۳۶:۔ محترمہ صدیقہ عارف صاحبہ۔ سرگودھا۔
۳۸:۔ محترمہ بلند اختر رضا علی صاحبہ۔ کراچی۔
۴۰:۔ ڈاکٹر مرزا محمد اکرم صاحب۔ جلال پور جٹاں

۴۱ :- محترم غلام سرور صاحب ۔ راولپنڈی

۴۲ :- ایک نامعلوم الاسم صاحب ۔ کراچی ۔

۴۳ :- محترم ظہور الدین بھٹی صاحب ۔ لاہور

۴۴ :- ایک نامعلوم الاسم صاحبہ ۔ حیدر آباد ۔

۴۵ :- محترم محمد حسین تارڑ صاحب ۔ لاہور

۴۶ :- ڈاکٹر خورشید احمد تارڑ صاحب ۔ لاہور

۴۷ :- محترم محمد عالم صاحب ۔ قطر خلیج فارس

۴۸ :- شیخ قدرت اللہ صاحب ۔ ایڈووکیٹ گجرات ۔

ان کے علاوہ

(۱) کیپٹن غلام حیدر صاحب ۔ لاہور	-/۱۵۰۰	روپے
(۲) محترمہ یاسمین آفتاب صاحبہ ۔ لاہور	-/۱۰۰۰	"
(۳) محترمہ ڈاکٹر ادیبہ امتیاز صاحبہ ۔ لاہور	-/۱۰۰۰	"
(۴) محترمہ نجمہ فواد صاحبہ ۔ لاہور	-/۱۰۰۰	"

میزان کل :- ۱،۲۴،۵۰۰/- روپے

فہرست (ب)

تعمیرِ نسٹ میں جن اصحاب نے عطیات دیئے یا دینے کا وعدہ فرمایا، اُن کے اسمائے گرامی بمعہ رقوم حسبِ ذیل ہیں :-

نمبر شمار	اسمائے گرامی بمع پتہ	وعدہ	وصول	کیفیت
۱ ۔	لائل پور سے ایک مخیر بزرگ جو اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتے۔	۱۷,۵۰۰	-	ایک کمرہ کی قیمت
۲ ۔	لائل پور سے دوسرے مخیر بزرگ بمعہ چند دوستوں کے جو اپنے نام ظاہر کرنا نہیں چاہتے ۔	۱۷,۵۰۰	-	ایک کمرہ کی قیمت
۳ ۔	محترم راجہ محمد اکرم صاحب ۔ ایڈووکیٹ ہائی کورٹ ۔ لاہور	۱۷,۵۰۰		ایک کمرہ کی قیمت
۴ ۔	محترم اختر علی محترم محمد اقبال سرور صاحبان ۔ ملتان	۷,۵۰۰	۱۰,۰۰۰	۷,۵۰۰ روپے کے وعدے میں دس ہزار وصول ۔
۵ ۔	محترم شیخ عبدالحق صاحب سینئر ایڈووکیٹ ۔ سپریم کورٹ لاہور	۲۰,۰۰۰	-	ایک بڑے کمرہ کی قیمت

۶ ۔ بزم طلوعِ اسلام لاہور، لائلپور اور کراچی نے وعدے کئے کہ وہ اپنے اپنے شہروں سے ایک ایک کمرہ کی تعمیر کیلئے چندہ اکٹھا کرینگے

نمبر شمار	اسمائے گرامی بمعہ پتہ	وعدے	وصول	کیفیت
۷	[illegible] محمد [illegible] الدین صاحب ۔ لائل پور	-	-	نصف مربع زرعی اراضی واقع ڈیرہ غازیخان وقف کرنیکا وعدہ کیا۔
۸	محترم میاں مقصود علی صاحب ۔ لاہور	۱۰,۰۰۰	۴,۰۰۰	دس ہزار کا وعدہ کیا تھا جس میں سے چار ہزار وصول ہو گیا۔
۹	محترم ڈاکٹر محمد صادق صاحب ۔ میاں چنوں ۔	-	۵,۰۰۰	
۱۰	محترم میاں چراغ حسین صاحب ۔ میانوالی	۴۰۰/- سالانہ تاحیات	۴۰۰	۱۹۶۹ء کا عطیہ وصول ہوا۔
۱۱	محترم چودھری لال خان صاحب ۔ شیخوپورہ	۱۰۰/- سالانہ	-	چار سال کے لئے ۔
۱۲	محترم عبدالحمید قریشی صاحب ۔ سپلائی ڈیپارٹمنٹ کراچی	-	۲,۵۰۰	
۱۳	محترم حاجی سلطان احمد صاحب ۔ چشتیاں	۱۰۰۰/- سالانہ	۲۵۰/-	تین سال کیلئے ۔ پہلی قسط وصول ہوئی ۔ دیکھئے نمبر شمار ۱۱۲ ۔
۱۴	محترم میجر محمد یوسف ڈار صاحب ۔ لاہور چھاؤنی	۵۰/- ماہوار	۵۰/-	تاحیات ۔ ایک ماہ کا عطیہ وصول ہوا ۔
۱۵	محترم محمد اشرف و محمد رشید صاحبان ۔ لاہور	۵۰/- سالانہ		
۱۶	محترم چودھری محمد دین صاحب ۔ سیالکوٹ	۲۰۰/- سالانہ		دس سال کیلئے ۔ دیکھئے نمبر شمار ۱۰۶
۱۷	محترم جسٹس شیخ محمد شریف صاحب ۔ لاہور	-	۳,۰۰۰/-	
۱۸	محترم ٹی ۔ اے ۔ انصاری ۔ ڈھاکہ	-	۲۰/-	
۱۹	محترم چوہدری عبدالغفور صاحب ۔ وملل جہلم	-	۲۰/-	
۲۰	بزم پنج کسی ۔ ضلع ملتان	-	۴۳/-	
۲۱	محترم ظہور الدین بھٹی صاحب ۔ لاہور	-	۲۵/-	
۲۲	بزم طلوع اسلام ۔ ملتان	-	۱,۰۶۷/-	
۲۳	محترم بشیر احمد صاحب ۔ گجرات	-	۵۰/-	
۲۴	محترم محمد اکرم صاحب ۔ لاہور	-	۲۰/-	
۲۵	محترم فضیلت رفیق صاحب ۔ (داہران) سیالکوٹ	-	۱۰۰/-	
۲۶	محترم بی ۔ اے ملک صاحب لاہور	-	۵۰۰/-	
۲۷	بزم طلوع اسلام ۔ چک ۵ شمالی	-	۱۵۵/-	

نمبر شمار	اسمائے گرامی بمع پتہ	وعدہ	وصول	کیفیت
۲۸	بزم طلوع اسلام۔ کوئٹہ	-	۴۰۶/-	
۲۹	محترم ڈاکٹر عبدالحفیظ صاحب۔ گوجرہ	-	۴۵۰/-	
۳۰	محترم ڈاکٹر عبدالقادر صاحب۔ گوجرہ	-	۵۰/-	
۳۱	محترم محمد محسن صاحب۔ لاہور	-	۹۰/-	
۳۲	محترم عبداللطیف نظامی صاحب۔ لاہور	-	۶۰/-	
۳۳	محترم نورنبی صاحب۔ سمبرسٹہ	-	۹/-	
۳۴	محترم ملک حنیف وجدانی صاحب سنبل سیداں	-	۲۴/-	
۳۵	محترم محمود احمد صاحب۔ سیالکوٹ	-	۱۴/۵۰	
۳۶	محترم عنایت اللہ صاحب۔ لاہور	-	۱۰/-	
۳۷	محترم محمد شریف میر صاحب۔ لاہور	-	۲۵/-	
۳۸	محترم نذیر احمد بیگ صاحب۔ لاہور	-	۱۵/-	
۳۹	لفٹیننٹ ایاز خانصاحب۔ ڈیرہ نواب صاحب	-	۵/-	
۴۰	محترم محمد اقبال سرور و اختر علی صاحبان۔ ملتان	-	۴۰۰/-	
۴۱	محترم خواجہ سمیع الحق صاحب۔ نوشہرہ	-	۱۰۰/-	
۴۲	محترم افضل عابد صاحب۔ لاہور	-	۹/-	
۴۳	محترم غلام شبیر خانصاحب۔ اولڈ خانیوال	-	۵۰۰/-	
۴۴	میسرز کراچی ٹمبری لمیٹڈ۔ کراچی	-	۲۰۰/-	
۴۵	ڈاکٹر مرزا خدا کرم صاحب۔ جلال پور جٹاں	-	۳۰۱/-	
۴۶	محترم خوشی محمد صاحب۔ لاہور	-	۵/-	
۴۷	محترم محمد اسلم عباسی صاحب۔ لاہور	-	۱۰/-	
۴۸	محترم نیاز اختر صاحب۔ لاہور	-	۱۰/-	
۴۹	محترم سید حسین صاحب۔ لاہور	-	۱۰/-	
۵۰	چوہدری محمد اکبر صاحب۔ لاہور	-	۸/-	
۵	محترم نذیر احمد، محمد رمضان، و امیر محمد صاحبان۔ لاہور	-	۶/-	

نمبر شمار	اسمائے گرامی بیع پتہ	وعدہ	وصول	کیفیت
۵۲	محترم محمد امین صاحب - کوئٹہ	-	۴۰/-	
۵۳	محترم حیات النبی صاحب - کراچی	-	۷۵/-	
۵۴	محترم مظفر محمود صاحب، سوتے کی - ضلع جہلم	-	۵/-	
۵۵	محترم شیخ اعجاز احمد صاحب - لاہور	-	۱۰/-	
۵۶	محترم سعید اقبال و سلیم خالد صاحبان - شادباغ لاہور	-	۴/-	
۵۷	محترم اصغر محمود راجہ صاحب - سوتے کی ضلع جہلم	-	۵/-	
۵۸	محترم غلام حسین گل صاحب پشاور	-	۵/-	
۵۹	محترم توسل صاحب - لاہور	-	۵/-	
۶۰	محترم ارشد محمود صاحب لاہور	-	۵/-	
۶۱	محترم محمد زبیر صاحب -	-	۲/-	
۶۲	محترم حاجی محمد شفیع صاحب، کریسنٹ ٹیکسٹائل ملز لائلپور	-	۵,۰۰۰/-	
۶۳	بزم طلوع اسلام - کراچی	-	۳,۴۰۰/-	
۶۴	محترم علی شیر صاحب - بہاولپور	-	۱۰۰/-	
۶۵	محترم تدبیر احمد صاحب - کوئٹہ	-	۱۵/-	
۶۶	محترم اصغر علی صاحب - کوئٹہ	-	۸/-	
۶۷	محترم شفقت حبیب صاحب - مریدکے	-	۱۰/-	
۶۸	محترم محمد حسین صاحب ملتان	-	۱۵/-	
۶۹	محترم ایم - وائی خانصاحب - کراچی	-	۱۵/-	
۷۰	محترم شمس الدین خان صاحب - کراچی	-	۵/-	
۷۱	محترم سید نثار احمد صاحب - کراچی	-	۱۰/-	
۷۲	محترم خالد سلام صاحب، انجینئرنگ کالج - لاہور	-	۵۰/-	
۷۳	محترم دلاور خاں صاحب - گجرات	-	۱۰۰/-	
۷۴	محترم مرزا عطاء الرحمٰن صاحب - گجرات	-	۱۲۵/-	
۷۵	بزم طلوع اسلام - گجرات	-	۱۷۵/-	

نمبر شمار	اسمائے گرامی بمع پتہ	دستے	وصول	کیفیت
۷۶	محترم ماسٹر بدر الدین صاحب و محترم انوار الحق صاحب بٹو۔ پتہ اُچھالی	-	۱۸۵/-	
۷۷	بزم طلوع اسلام۔ راولپنڈی۔	-	۱,۲۵۰/-	
۷۸	محترمہ عزیزہ نجمہ پرویز صاحبہ وسیلے پرویز صاحبہ	-	۱۲۰/-	
۷۹	بزم طلوع اسلام۔ کراچی	-	۱,۵۰۰/-	
۸۰	محترم ڈاکٹر محمد اکرم مرزا صاحب۔ جلالپور جٹاں۔	-	۴۸۱/-	
۸۱	محترم حبیب خان صاحب۔ لائلپور	-	۵/-	
۸۲	محترم خواجہ اظہر عباس صاحب سرگودھا	-	۵۰/-	
۸۳	محترم رانا ذوالفقار علی صاحب۔ لائلپور	-	۱۰۰/-	نمبر شمار ۸۳ سے نمبر شمار ۱۱۵ تک کی رقوم کنونشن کے موقع پر وصول ہوئیں۔
۸۴	محترم شاہنواز صاحب معرفت حافظ محمد یونس صاحب لائلپور	-	۲۵۰/-	
۸۵	محترم پرویز اختر صاحب۔ بٹالہ کالونی۔ لائلپور	-	۵۰/-	
۸۶	محترم محمد نذیر صدیقی صاحب۔ لائلپور	-	۲۰۰/-	
۸۷	محترم غلام محمد صاحب۔ زرعی یونیورسٹی۔ لائلپور	-	۱۰/-	
۸۸	محترم منظور حسین صاحب۔ لائلپور	-	۱۰/-	
۸۹	محترم چوہدری علی محمد پرویز صاحب۔ لائل پور	-	۲۵/-	
۹۰	محترم چوہدری محمد اسلم صاحب۔ لائل پور	-	۲۵/-	
۹۱	چوہدری نذیر احمد صاحب۔ لائل پور	-	۱۰۰/-	
۹۲	محترم محمد صدیق صاحب۔ لائل پور	-	۱۰/-	
۹۳	محترم چوہدری حسین بخش صاحب۔ لائلپور	-	۱۰/-	
۹۴	محترم خان نواز خان صاحب۔ لائلپور	-	۲۵/-	
۹۵	محترم چوہدری محمد شفیق صاحب۔ لائلپور	-	۲۵/-	
۹۶	میسرز دلخوش ہوزری۔ لائلپور	-	۴۰/-	
۹۷	محترم جمال الدین صاحب آڑھتی۔ لائل پور	-	۱۰/-	
۹۸	میسرز مقبول ہوزری۔ لائلپور	-	۲۵/-	
۹۹	میسرز جالندھری ہوزری۔ لائلپور	-	۲۵/-	

نمبر شمار	اسمائے گرامی مع پتہ	وعدہ	وصول	کیفیت
۱۰۰	میسرز ایچ۔کے۔بی۔ہوزری لائلپور	-	۲۵/-	
۱۰۱	میسرز دانش ہوزری۔ لائلپور	-	۲۵/-	
۱۰۲	محترم محمد انور صاحب۔ لائلپور	-	۱۰/-	
۱۰۳	محترم گلزار حسین صاحب۔ لائلپور	-	۱۰۰/-	
۱۰۴	میسرز شیخ محمد امین اینڈ کو۔ لائلپور	-	۱،۰۰۰/-	
۱۰۵	بزم طلوع اسلام۔ مردان	-	۳۵۰/-	
۱۰۶	بزم طلوع اسلام۔ سیالکوٹ	-	۱۶۰/-	
۱۰۷	محترم چوہدری محمد دین صاحب سیالکوٹ	-	۲۰۰/-	پہلی سالانہ قسط
۱۰۸	محترم صوبیدار عبدالمجید صاحب سمندری	-	۱،۱۰۰/-	
۱۰۹	بزم طلوع اسلام چک ۴۵ شمالی سرگودھا	-	۱۷۵/-	
۱۱۰	بزم طلوع اسلام۔ پنج کسی۔ ملتان	-	۱۲۵/-	
۱۱۱	محترم چوہدری فیروز الدین صاحب کھوچک۔	-	۱۰۰/-	
۱۱۲	محترم حاجی سلطان احمد صاحب چشتیاں۔	-	۱۴۵/-	دوسری قسط۔ دیکھئے نمبر شمار ۱۳
۱۱۳	بزم طلوع اسلام۔ لیّہ	-	۷۵/-	
۱۱۴	بزم طلوع اسلام۔ سید حسن	-	۲۵۰/-	
۱۱۵	بزم طلوع اسلام۔ دیونہ منڈی	-	۱۱۰/-	
۱۱۶	محترم حکیم قمر الزمان ثقلینی صاحب۔ جلّہ جیم	-	۵۰۰/-	
۱۱۷	محترم خان مقبول احمد صاحب۔ جلّہ جیم	-	۱۰۰/-	
۱۱۸	محترم سلیمان بھائی چوہان صاحب۔ راولپنڈی	-	۱۰۰/-	کنونشن کے بعد وصول ہوئی
۱۱۹	محترم ثناء اللہ خان صاحب۔ اسلام آباد	-	۱۶/-	" " " "

میزان کل:- ۴۸،۲۵۸/-

(جملہ معطیان سے گزارش ہے کہ وہ ان دونوں فہرستوں کو چیک کر لیں اور اگر کہیں کوئی غلطی نظر آئے تو ہمیں مطلع فرمائیں۔ شکریہ)

تجویز یہ ہے کہ کالج اور متعلقہ عمارات یعنی ہوسٹل۔ لیبارٹریز۔ جمنیزیم سٹاف کوارٹرز وغیرہ کے لئے مکمل نقشہ جات ابھی بنوا لئے جائیں۔ ان تمام عمارات پر قریب ۱۲,۵۰,۰۰۰ روپے کی لاگت کا اندازہ ہے۔ چونکہ اتنی کثیر رقم فی الحال ہمارے پاس موجود نہیں۔ اس لئے تعمیر کا کام کئی ایک مراحل میں تین سال کے اندر مکمل کیا جا سکے گا۔ جوں جوں روپیہ فراہم ہوتا جائے گا۔ تعمیر کا کام آگے بڑھتا رہیگا۔

اگلے سال انٹرمیڈیٹ کی پہلی کلاس کے داخلہ کے لئے تعمیر کا پہلا مرحلہ دس کمروں پر مشتمل ہوگا۔ اس کے ساتھ فرنیچر اور لیبارٹری کا سامان بھی خریدنا ہوگا۔ ان پر مجموعی لاگت کا اندازہ قریب دو لاکھ روپے کیا گیا ہے اس کے علاوہ ایک سال کے اخراجات جس میں پروفیسروں اور دیگر اسٹاف کی تنخواہیں اور دفتری ضروریات وغیرہ شامل ہونگی کا اندازہ مبلغ ۶۰,۰۰۰ روپے لگایا گیا ہے۔ پہلے سال ایک سو طالب علم داخل کئے جائینگے ان کی فیسوں سے قریب -/۲۰,۰۰۰ روپے کی آمدنی ہوگی یعنی اخراجات کی رقم گھٹ کر -/۴۰,۰۰۰ روپے رہ جائے گی۔ علاوہ ازیں جیسا کہ میں اوپر بیان کر آیا ہوں۔ مزید ۱۶ کنال زمین خریدنے کے لئے -/۲۵,۰۰۰ روپے درکار ہوں گے۔ یعنی اگر -/۲,۶۵,۰۰۰ روپے کی رقم ہمارے پاس جمع ہو تو پھر اگلے سال تعلیم کے سلسلہ کا آغاز ہو سکتا ہے۔ بردست ہمارے پاس صرف -/۷۴,۲۹۷ روپے موجود ہیں۔ اس لئے معطی حضرات سے درخواست ہے کہ وہ اپنی موعودہ رقوم جن کی میزان قریب -/۸۷,۰۰۰ روپے ہوتی ہے جلد از جلد ادا کر دیں سوسائٹی ان کی تہِ دل سے مشکور ہوگی۔ ہمارا ارادہ ہے کہ جونہی نقشے تیار ہو جائیں عمارات کی بنیادیں ماہ دسمبر تک بھر دی جاویں۔

وعدوں کی رقوم وصول ہو جانے کے بعد ہمارے پاس -/۱,۶۱,۲۹۷ روپے جمع ہو جاوینگے ــــ اور ۲,۶۵,۰۰۰ روپے کا فوری خرچ درپیش ہے۔ اسے پورا کرنے کے لئے مزید -/۱,۰۴,۰۰۰ روپے درکار ہونگے۔ اسلئے آپ حضرات سے گزارش ہے کہ تعمیر فنڈ کی فراہمی کے لئے اپنے اپنے حلقۂ اثر میں پوری تن دہی سے کوشش فرما دیں۔ اس مقصد کے لئے رسیدیں بھی تمام نمائندگان بزمہائے کو بھیجی جا چکی ہیں۔ مارچ ۱۹۷۰ء کے آخر تک مزید -/۱,۰۴,۰۰۰ روپے جمع ہو جانا بہت ضروری ہے۔

آپ نے پچھلے سال اس امر کا اظہار کیا تھا کہ کالج کی اہمیت کے پیش نظر اسکی ابتداء فوراً کر دینی چاہیئے۔ اور فی الحال اس مقصد کے لئے کرایہ کا مکان لے لیا جاوے۔ بعد میں اخراجات کا جائزہ لیتے ہوئے اور زمین کے حاصل ہو جانے کی صورت میں یہ طے پایا تھا کہ اس اسکیم کو اگلے سال تک ملتوی کر دیا جائے۔ میں اس سلسلہ میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ کالج کی فرسٹ ایئر کلاس کے کھولنے میں ایک سال کی تاخیر سے جس قدر ہونہار نوجوانوں کا حرج اور قوم کا نقصان ہوا ہے اس کا اندازہ آپ بخوبی لگا سکتے ہیں۔ جتنی تاخیر

پہلے ہو چکی ہے وہ ناگزیر تھی۔ میری درخواست یہ ہے کہ اب اس میں مزید تاخیر نہ ہونے دیجئے۔ قوم کے سینکڑوں نوجوان طالب علموں کی نگاہیں آپ کی طرف لگی ہوئی ہیں' انہیں مایوس نہ ہونے دیں اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ وعدوں کی رقوم مبلغ -/۵۲,۰۰۰ روپے دسمبر کے آخر تک وصول ہو جائیں۔ اور بقایا مطلوبہ رقم -/۱,۴۲,۰۰۰ روپے زیادہ سے زیادہ مارچ ۱۹۷۰ء تک جمع ہو جائے۔ خدا آپ کی ہمتوں میں برکت دے۔ والسلام!

دقّت یہ ہے کہ

اگر آپ (مثلاً) دو روپے کی کتاب بذریعہ ڈاک منگائیں تو اس پر آپ کو قریب ۵۰ پیسے محصول ڈاک دینا پڑتا ہے۔ یوں وہ کتاب آپ کو بہت مہنگی پڑتی ہے۔ اسکا علاج یہ ہے کہ آپ

پیشگی خریداروں

کی فہرست میں شامل ہو جائیے۔ اس طرح آپ جو کتاب مانگیں گے آپ کو گھر بیٹھے مل جائیگی اور محصول ڈاک ہم اپنی طرف سے ادا کر دینگے۔ پیشگی خریداروں کی لسٹ میں شامل ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ ایک سو روپیہ بطور پیشگی جمع کرا دیں۔ یہ آپ کے حساب میں جمع رہیگا اور جو کچھ آپ منگائیں گے وہ اس میں سے منہا ہوتا رہیگا۔ اور اس کا حساب آپ کو باقاعدہ بھیجا جائیگا۔

آپ نے دیکھا کہ اس طرح آپ کو کس قدر فائدہ رہیگا۔

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام
۲۵/بی۔ گلبرگ۔ لاہور

مرنے کے بعد کیا ہوگا ؟

ہر شخص اس سوال کا جواب معلوم کرنا چاہتا ہے۔

لیکن — اُسے جواب کہیں سے نہیں ملتا۔

اس کا جواب ملیگا، ایک تازہ تصنیف

جہانِ فردا

سے جس میں: موت۔ قبر۔ برزخ۔ حشر۔ نشر۔ قیامت۔ اعمال نامہ۔

جہنم۔ جنّت وغیرہ — کی تفصیلات درج ہیں۔

جلد حاصل کیجئے ورنہ دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑیگا !

قیمت :— (اعلیٰ ایڈیشن) دس روپے ۱۰/- (جیبی ایڈیشن) چھ روپے ۶/-

ملنے کا پتہ

ادارہ طلوعِ اسلام۔ ۲۵/بی گلبرگ لاہور۔ مکتبہ دین و دانش چوک اُردو بازار لاہور

باب المراسلات

کیا رزق کی تقسیم خدا نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے؟

استفسار: جناب بادشاہ گل بخاری نے ایک کتاب "حجیتِ حدیث" کے نام سے تصنیف کی ہے۔ اس میں وہ اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ نبوت اور رسالت کی طرح رزق بھی وہبی طور سے ملتا ہے اور یہ کسبی چیز نہیں۔ "رسول اور امیر میں فرق" کے زیرِ عنوان یہ عبارت درج ہے۔

"غرض رسالت کا معاملہ رزق کی طرح صرف خدا کی تقسیم پر موقوف ہے۔ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ۔ یعنی نبوۃ اور رسالت رزق کی طرح ربوبیت کا حق ہے، جب رزق کی تقسیم اس نے کسی کے حوالے نہیں کی، اپنے ذمہ رکھی ہے تو نبوۃ کی تقسیم بھی ایسا ہی سمجھنا چاہیئے۔"

"پیشوائیت اور سرمایہ دارانہ نظام کے علمبردار اس آیت کا اگلا ٹکڑا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۝ بھی اس کے ساتھ جوڑ کر یہ استدلال عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ "خدا نے ازلی اور قدرتی طور سے بعض لوگوں کو بعض پر رزق میں فوقیت دی ہے اور یہ فوقیت اس لئے دی ہے تاکہ بعض بعض کو پکڑیں اور زبردستی پکڑ کر مسخر کریں۔ لفظ "سُخْرِيًّا" اس پر دال ہے۔"

"اگر اس آیت کو زیرِ بحث لا کر اس پر تفصیلی گفتگو ہو جائے تو بہت سارے لوگوں کے شکوک رفع ہو جائیں گے۔"

جواب: جناب بادشاہ گل بخاری صاحب سے ہمارا تعارف نہیں لیکن فہم قرآن کریم کے سلسلے میں انہوں نے جس تأسف انگیز نا واقفیت کا ثبوت دیا ہے، اس سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ انہی مکتبوں کے دستارِ فضیلت یافتہ ہیں جن کے نصاب میں قرآن شامل نہیں ہوتا۔ ہم نفسِ مضمون کی طرف تو بعد میں آئیں گے پہلے یہ عرض کر دیں کہ ان صاحب نے، وہبی ہونے کے اعتبار سے، نبوت کو جو رزق کا

ہم پلّہ قرار دیا ہے تو اس سے انہوں نے نبوت جیسے عظیم اختصاص کو جس پست سطح پر لاکر کھڑا کر دیا ہے اس سے ہمیں افسوس ہی نہیں بے حد قلق ہوا ہے۔ ان صاحب کا کہنا یہ ہے کہ رزق اسی طرح سے وہبی طور پر ملتا ہے جس طرح نبوت وہبی طور پر ملتی ہے (یعنی ملتی تھی) اب دیکھئے کہ قرآن کریم کی رُو سے حصولِ رزق کی کیفیت کیا ہے۔

(۱) سورۂ شوریٰ میں ہے ..... مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا (۴۲/۲۰)
"جو شخص دنیا کی کھیتی لینے کا ارادہ کرتا ہے ہم اسے وہ دے دیتے ہیں"۔ اس سے ظاہر ہے کہ متاعِ دنیا (جس میں لامحالہ رزق سب سے پہلے آئے گا) حاصل کرنے کے لئے انسان کا اپنا ارادہ شرط ہے۔ یعنی رزق اسے ملے گا جو رزق لینے کا ارادہ کرے گا۔

ہم پوچھنا یہ چاہتے ہیں بخاری صاحب کہ کیا نبوت حاصل کرنے کے لئے بھی یہی شرط ہوتی ہے۔ یعنی نبوت اسے ملتی تھی جو نبوت لینے کا ارادہ کرتا تھا؟

(۲) سورۂ جمعہ میں ہے۔

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ ..... (۶۲/۱۰)

(ابتغاء فضل اللہ کی آیتیں قرآن میں متعدد مقامات پر آتی ہیں)

مولانا محمود الحسن، اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:۔

پھر جب تمام ہو چکے نماز تو پھیل پڑو زمین میں اور ڈھونڈو فضل اللہ کا۔

اور اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:۔

حضرت شاہ صاحبؒ (شاہ عبدالقادرؒ) لکھتے ہیں۔ "یہود کے ہاں عبادت کا دن ہفتہ تھا۔ سارا دن سودا ملتا تھا۔ اسلئے فرما دیا کہ تم نماز کے بعد روزی تلاش کرو اور روزی کی تلاش میں بھی اللہ کی یاد نہ بھولو۔

یعنی "ابتغاء فضل من اللہ" کے معنی "روزی تلاش کرنا" ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ خدا نے حکم دیا ہے کہ تم رزق کو تلاش کرو ــــ رزق اسی کو ملے گا جو اسے تلاش کرے گا۔ تلاش کے بغیر رزق نہیں مل سکے گا۔ یعنی رزق سراسر اکتسابی شے ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا نبوت کے لئے بھی تلاش شرط تھی؟ اور جو چیز تلاش کے بعد حاصل ہو کیا اسے وہبی کہا جائے گا؟ نبی (اور خود نبی اکرمؐ) کے متعلق تو خدا نے یہ کہا ہے کہ وَمَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ

وَ لَا الْاِیْمَانُ (۴۲/۵۲)۔ "تو جانتا ہی نہیں تھا کہ کتاب کسے کہتے ہیں اور ایمان کیا ہوتا ہے؟"

(۳) انفاقِ رزق کے متعلق قرآن کریم میں بے شمار آیات آئی ہیں۔ سورۃ بقرہ کے شروع میں مومنین کی خصوصیت یہ بتائی ہے کہ ــــ وَ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ (۲/۳)۔ "جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں"۔ یعنی اس میں سے دوسروں کو بھی دیتے ہیں۔ بعض آیات میں انفاق کا حکم بھی آیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا کسی نبی سے بھی ایسا کہا گیا ہے کہ جو نبوت ہم نے تمہیں دی ہے اس کا کچھ حصہ دوسروں کو بھی دیا کرو؟ اور جو چیز کسی انسان کو کسی دوسرے انسان سے ملے کیا اسے وہبی کہا جائے گا؟ "وہبی" تو وہ شے ہوگی جو کسی انسان کو بلا کسب و ہنر اور بلا سعی و کاوش، براہِ راست خدا کی طرف سے ملے۔ قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ رزق کے اس قسم کے وہبی ہونے کا عقیدہ کفار کا تھا جس کی تردید خدا نے کی۔ سورۃ یٰسین میں ہے کہ وَ اِذَا قِیْلَ لَھُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا "جب ان کفار سے کہا جاتا ہے کہ جو رزق اللہ نے تمہیں دیا ہے اس میں سے (دوسرے ضرورت مندوں) کو بھی دیا کرو۔ تو یہ لوگ، جماعتِ مومنین سے کہتے ہیں ــــ اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰہُ اَطْعَمَہٗ "کیا ہم اسے کھانے کو دیں، جسے اگر اللہ چاہتا تو خود کھانے کو دے دیتا۔ اس کے جواب میں کہا کہ (اے رسول! ان سے کہہ دو کہ) ــــ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (۳۶/۴۷) تم بالکل کھلی ہوئی گمراہی میں ہو"۔

غور فرمائیے کہ جو عقیدہ کفار کا ہے اور جسے قرآن کھلی ہوئی گمراہی قرار دیتا ہے، یہ حضرات اسے (معاذ اللہ معاذ اللہ) ہم پلہ نبوت ٹھہرا رہے ہیں! کیا قرآن سے بیگانگی کا اس سے بڑا ثبوت کوئی اور بھی ہو سکتا ہے؟

ہم پھر دہرا دیں کہ ان صاحب نے کہا تھا کہ رزق اسی طرح وہبی ہے جس طرح نبوت۔ اور رزق کے متعلق ہم نے دیکھ لیا کہ قرآن کریم کی رو سے، اسے حاصل کرنے کے لئے پہلے ارادہ شرط ہے اور پھر تلاش۔ جو شخص بھی رزق حاصل کرنے کا ارادہ کرے اور پھر حصولِ رزق کے لئے سعی و کاوش، اسے رزق مل جاتا ہے۔ اب اگر اس کے بعد، کوئی قادیانی صاحب یہ کہیں کہ مرزا صاحب نے بھی تو حصولِ نبوت کے لئے یہی کچھ کیا ہے، تو فرمائیے کہ بادشاہ گل بخاری صاحب اس کا کیا جواب دیں گے؟

یہ ہے ان حضرات کا مبلغ علم قرآن کے متعلق۔ اور یہ ہے ان کی پیش کردہ دلیل کی حقیقت!

اب آئیے اصل موضوع کی طرف۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ رزق کی تقسیم خدا نے اپنے ہاتھ میں رکھی

ہے۔ وہ جسے چاہے بے حد و حساب دولت عطا کر دے، جسے چاہے محتاج اور مفلس بنا دے۔ لہٰذا کوئی ایسی تدبیر ایسا نظام جس سے محتاجوں کی محتاجی دور ہوتی ہو اور وہ ناداری سے صاحبِ رزق بن جائیں خدا کی مشیت کے خلاف ہے۔ اس لئے خلافِ اسلام۔ کسی غریب کو اپنی غریبی دور کرنے کی قطعاً کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ ایسا چاہنا اور ایسا کرنا، خدا سے برسرِ پیکار ہونے کے مرادف ہوگا۔ اور اسکی دلیل (بقول ان کے) یہ ہے کہ خدا نے فرمایا ہے کہ نحن قسمنا بینھم معیشتھم۔ ان کا رزق، ان میں ہم تقسیم کرتے ہیں۔

اس قسم کے الفاظ کہ ہم رزق کی تقسیم کرتے ہیں؟ یا وَ اللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ (۲/۲۱۲) یا اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُ (۱۳/۲۶) وغیرہ صرف رزق کے متعلق ہی نہیں آئے۔ بہت سے اور امور کے متعلق بھی آئے ہیں۔ مثلاً دین کی بنیاد ہدایت پر ہے اور ضلالت (گمراہی) جہنم کیطرف لے جانے والی راہ ہے۔ قرآن کی اساسی تعلیم کے مطابق اس کا تعلق انسان کے اپنے اختیار و ارادہ اور عمل سے ہے۔ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ (۱۸/۲۹) ان سے کہہ دو کہ الحق تمہارے رب کیطرف سے آگیا۔ اب جس کا جی چاہے اسے قبول کرلے اور جس کا جی چاہے اس سے انکار کر دے؟ یہ اور اس قسم کے دیگر ارشادات باری تعالےٰ اس بنیادی حقیقت پر شاہد ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہمیں قرآن کریم میں اس قسم کی آیات بھی ملتی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ۔ فَیُضِلُّ اللّٰہُ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (۱۴/۴)۔ یا وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ ھَادٍ (۳۹/۲۳)۔ اگر ان آیات کے یہ معنی لئے جائیں کہ ہدایت اور گمراہی کے معاملہ میں انسان کے اختیار و ارادہ کو کوئی دخل نہیں، نہ ہی اس سے اس کی سعی و کاوش کا کوئی تعلق ہے۔ جسے خدا چاہے ہدایت دیدے اور جسے چاہے گمراہ کر دے، اور جسے وہ گمراہ کر دے وہ پھر کسی طرح بھی راہ راست پر نہیں آسکتا، تو (اس مفہوم کے مطابق) خدا کا متعین کردہ سارا نظامِ رشد و ہدایت جڑ بنیاد سے اکھڑ جاتا ہے۔ خدا نے انسانوں کو اختیار و ارادہ دیا۔ پھر اپنی طرف سے انبیاءِ کرام بھیجے — ہر بستی میں رسول — ہر نسل میں نبی — ہر زمانہ میں پیغامبر — ان کے ساتھ خدا کی کتاب۔ کتاب کی طرف دعوت دینے والا خود رسول اور اسکی جماعت۔ ہدایت قبول کرنے والوں کے لئے بشارات۔ اس سے روگردانی کرنے والوں کے لئے عذاب۔ من یشاء کے اس مفہوم کی رُو سے جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے، یہ سارا سلسلۂ رشد و ہدایت (معاذ اللہ) بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ قرآنِ کریم نے واضح الفاظ میں بتایا ہے کہ یہ عقیدہ (کہ خدا جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے۔ انسان کے اختیار و ارادہ کا اس میں کوئی دخل نہیں)

مشرکین کا ہے اور مبنی بر جہالت۔ سورۃ الانعام میں ہے۔ سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَمَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ۔ "مشرکین کہیں گے (یا کہتے ہیں) کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہی ہمارے آباء و اجداد۔ اور نہ ہی ہم (خدا کی حلال کردہ چیزوں کو) حرام قرار دیتے"۔ اس کے بعد کہا۔ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ اس طرح حقیقت سے انکار اور صداقت کی تکذیب کچھ انہی کا شیوہ نہیں۔ ان سے پہلے بھی لوگ اپنی غلط روش کے جواز میں اس قسم کی باتیں کیا کرتے اور اس طرح صداقت کو جھٹلایا کرتے تھے۔ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا۔ لیکن ان کے ایسا کہنے سے خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل میں کچھ فرق نہیں آجاتا تھا۔ ان کی غلط روش کا نتیجہ ان کے سامنے آجاتا تھا۔ خدا کا عذاب ان پر مسلط ہو جاتا تھا۔ اس کے بعد فرمایا۔ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا۔ ان سے پوچھو کہ کیا تمہارے پاس (اس عقیدہ جبر کی تائید میں) کوئی علمی دلیل بھی ہے؟ اگر ہے تو اسے پیش کرو۔ اور اس کے بعد خود ہی کہہ دیا کہ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ (۶/۱۴۹)۔ ان کے پاس کوئی علمی دلیل نہیں ہو سکتی۔ یہ محض اپنے ظن و قیاس کے پیچھے چلتے ہیں اور یونہی اٹکلیں دوڑاتے رہتے ہیں۔

ہم اس باب میں قرآن کریم کی اور بھی کئی آیات پیش کر سکتے ہیں، لیکن اس موضوع کا تعلق درحقیقت مسئلہ تقدیر سے ہے اور وہ بڑی تفصیل چاہتا ہے۔ اسلئے ہم اس کے بعد صرف ایک اور آیت سامنے لانا چاہتے ہیں جو ہمارے نزدیک سردست اکتفا کرے گی۔ سورۃ النحل میں ہے۔ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِنْ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ۔ "اور اگر اللہ چاہتا، تو تم سب کو ایک ہی جماعت بنا دیتا۔ لیکن خدا جسے چاہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے"۔ آیت کے اتنے ٹکڑے (اور اس کے مروجہ ترجمہ اور مفہوم کی رُو سے) مترشح ہوتا ہے کہ ہدایت اور ضلالت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ انسان کا اس میں کوئی اختیار نہیں۔ اور جب انسان کا اس میں کوئی اختیار ہی نہیں تو ظاہر ہے کہ نہ ہدایت پر چلنے والے کسی جزا کے مستحق ہو سکتے ہیں، نہ ضلالت پر گامزن کسی عذاب کے مورد۔ ان پر کسی قسم کی ذمہ داری ہی عاید نہیں ہو سکتی۔ لیکن آیت کا اگلا حصہ یہ ہے — وَلَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (۱۶/۹۳)۔ اور یقیناً تم سے پوچھا جائے گا کہ تم نے کس قسم کے کام کئے تھے"۔ آیت کا یہ حصہ سورج کی طرح اس حقیقت کو واضح کر دیتا ہے کہ "وَيُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ" کا قطعاً یہ مفہوم نہیں ہو سکتا کہ ہدایت اور گمراہی کے معاملہ میں انسان کے اختیار و ارادہ اور سعی و عمل کا کوئی دخل نہیں ہو سکتا۔ یہ خدا کی مرضی پر موقوف ہے۔ وہ جسے چاہے ہدایت

دیدے۔ جسے چاہے گمراہ کردے۔

ان حقائق سے واضح ہے کہ اس قسم کے معاملات کے متعلق جہاں قرآن کریم میں "قَسَمْنَا" یا "مَنْ یَّشَآءُ" وغیرہ الفاظ آئے ہیں' ان سے قطعاً یہ مراد نہیں کہ ان چیزوں کے حصول میں انسان کی سعی و کاوش کا کوئی دخل نہیں۔ خدا جسے چاہے عطا کردے' جسے چاہے ان سے محروم رکھے۔ "جسے چاہے عطا کردے" کی استثنا صرف نبوت کے لئے ہے کیونکہ اس کے متعلق یہ بتا دیا گیا ہے کہ جسے منصب نبوت سے سرفراز کیا جانا تھا اسے اس سے ایک ثانیہ پہلے تک اس کا علم تک نہیں ہوتا تھا کہ کتاب کسے کہتے ہیں اور ایمان کیا ہوتا ہے۔ (نبوت کے علاوہ دیگر معاملات کے متعلق) "من یشاء" کے معنی یہ ہیں کہ ان چیزوں کے حصول کے لئے خدا نے اپنی مشیت سے قاعدے اور قانون مقرر کر دیئے ہیں۔ جو ان قواعد و قوانین کے مطابق عمل کرے گا اسے وہ چیز مل جائے گی' جو ان سے اعراض برتیگا' وہ اس سے محروم رہ جائیگا۔ چنانچہ رزق کی بست و کشاد کے متعلق فرمایا کہ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۔ (۲۰/۱۲۴)۔ اور جو شخص ہمارے "ذکر" سے اعراض برتیگا تو اس کی معیشت (روزی) تنگ ہو جائے گی۔ اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائینگے۔ یہاں سے واضح ہے کہ رزق کی تنگی نتیجہ ہوتی ہے احکام الٰہیہ سے اعراض برتنے کا۔ اس کی تفسیر سورۃ الفجر میں ان الفاظ میں کردی ہے کہ وَ اَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۔ جب ہم انسان کو دوسری طرح کی گرفت دیتے ہیں سو اس سے اس کا رزق تنگ ہو جاتا ہے۔ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ۔ تو وہ کہتا ہے کہ خدا نے مجھے (یونہی) ذلیل کر دیا۔ اس کے جواب میں کہا گیا کہ كَلَّا ۔۔۔ ایسا مت کہو۔ خدا کسی کو یونہی ذلیل نہیں کیا کرتا۔ اس کا دستور یہ نہیں کہ جس کا جی چاہے رزق کشادہ کر دیا جس کا جی چاہے تنگ کر دیا۔ اس کے ہاں ہر بات کے لئے قاعدہ اور قانون مقرر ہے انسان کے اعمال کا نتیجہ برآمد ہوتا رہتا ہے تم کہتے ہو کہ خدا نے یونہی تمہارا رزق تنگ کر دیا۔ یہ بالکل غلط ہے۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۔ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۔ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۔ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۔ (۸۹/۱۷-۲۰)۔ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے تھے۔ ایک دوسرے کو اسکی تائید نہیں کرتے تھے کہ محتاجوں کی روٹی کا انتظام کیا جائے۔ تم وراثت کے مال کو سارے کا سارا سمیٹ کر کھا جاتے تھے۔ اور دولت کو جی بھر کر پیار کرتے تھے (یہ الفاظ مولانا محمود الحسنؒ کے ہیں)۔ یہ تھا تمہارا نظامِ معاشرت و معیشت جس کی وجہ سے تم پر یہ عذاب آیا ہے۔ سورۃ النحل میں اس غلط نظام کو "کفرانِ نعمت" سے تعبیر کیا گیا ہے جہاں کہا ہے کہ "خدا ایک مثال کے ذریعے بات سمجھاتا

ہے۔ ایک بستی تھی جس کے باشندوں کو امن اور اطمینان دونوں میسر تھے۔ ان کی طرف چاروں طرف سے رزق کھنچے چلا آتا تھا۔ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللّٰهِ۔ انہوں نے ان انعاماتِ خداوندی سے کفران برتا۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر بھوک اور خوف کا عذاب طاری ہو گیا۔ ایسا کیوں ہوا؟ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ - (۱۶/۱۱۲)۔ یہ ان کے خود ساختہ باطل نظامِ معیشت کا نتیجہ تھا۔

اس کے برعکس فرمایا کہ وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ۔ اگر یہ اہل کتاب (اپنے اپنے وقت میں) اس نظام پر عمل پیرا ہوتے جو تورات اور انجیل میں دیا گیا تھا اور جسے اب قرآن میں دیا گیا ہے۔ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ - (۵/۶۶) تو ان پر اوپر سے بھی رزق کی بارش ہوتی اور وہ نیچے سے بھی اُبل کر باہر آجاتا۔

اب آیئے سورۃ زخرف کی اس آیت کی طرف جسے (بقول مستفسر) جناب بادشاہ گل بخاری صاحب نے اپنے خود ساختہ مفروضہ کی تائید میں پیش کیا ہے۔ استفسار کے الفاظ یہ ہیں:-

> پیشوائیت اور سرمایہ دارانہ نظام کے علمبردار اس آیت کا اگلا ٹکڑا ... فی الحیوٰۃ الدنیا و رفعنا بعضھم فوق بعض درجٰت لیتخذ بعضھم بعضا سخریا۔ (۴۳/۳۲) بھی اس کے ساتھ جوڑ کر یہ استدلال عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ "خدا نے ازلی اور قدرتی طور سے بعض لوگوں کو بعض پر رزق میں فوقیت دی ہے اور یہ فوقیت اس لئے دی ہے تاکہ بعض، بعض کو پکڑیں اور زبردستی پکڑ کر مسخر کریں۔ لفظ سخریا اس پر دال ہے"

اس اقتباس میں جو الفاظ واوین ("....") میں آئے ہیں ان کے متعلق ہمیں علم نہیں کہ وہ بادشاہ گل بخاری صاحب کے ہیں یا کسی اور کے لیکن ان کا کہنے والا کوئی بھی ہو، مولوی صاحبان سب اس سے یہی مفہوم لیتے ہیں۔ اس مفہوم سے جو نقشہ سامنے آتا ہے وہ اس قسم کا ہے کہ

(۱) خدا خود فیصلہ کرتا ہے کہ زید کو امیر پیدا کیا جائے اور بکر کو غریب۔

(۲) پھر خدا زید کو اجازت دیتا ہے کہ وہ بکر کو زبردستی پکڑ کر مسخر کرے کیونکہ اسے خدا نے پیدا ہی اس مقصد کے لئے کیا ہے۔

آپ سوچئے کہ اس عقیدہ میں اور اس میں جس کی رُو سے ہندو کہتے ہیں کہ برہمن برہما کے سر سے پیدا ہوتے ہیں اور شودر اس کے پاؤں سے۔ اور مقصد اس سے یہ ہوتا ہے کہ برہمن، شودروں سے زبردستی اپنی خدمت لیں، کچھ بھی فرق ہے؟ اس سے بھی آگے بڑھیئے۔ غلامی کے جواز میں دلیل یہ پیش کی جاتی

کرتی تھی کہ خدا بعض انسانوں کو آزاد پیدا کرتا ہے اور بعض کو غلام' تاکہ غلام آزاد لوگوں کے لئے بیگار کے کام سرانجام دیں۔ غلامی کو آزاد لوگوں جیسا مقام دے دینا ایسا ہی ہے جیسے کسی ٹیڑھے پاؤں کو سیدھا جوتا پہنا دیا جائے۔ وہ اس کے لئے سخت تکلیف دہ ہوگا! ہمارے ہاں اس آیت سے جو مطلب لیا جاتا ہے وہ نتیجہ کے اعتبار سے انسانوں کی پیدائشی تقسیم کو اسی مقام پر پہنچا دیتا ہے۔ کیا یہی ہے اسلام کی تعلیم اور اسی کا نام ہے تکریم انسانیت اور مساواتِ آدمیت جس کا اس قدر ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے؟

اس آیت میں "سخریا" کا مفہوم کیا ہے' اس کے متعلق ہم سے نہیں' مکتبِ دیوبند کے ایک ممتاز عالم مولانا مناظر احسن گیلانی (مرحوم) کے الفاظ میں سنیئے۔ وہ اپنی کتاب "اسلامی معاشیات" میں پہلے اس آیت کا حسبِ ذیل ترجمہ لکھتے ہیں۔

> ہم نے بانٹ دی ہے الحیٰوۃ الدنیا (پست زندگی) میں ان کی معیشت کو ان کے درمیان اور اونچا کر دیا ہے ہم نے بعض کو بعض سے مدارج و مراتب کے لحاظ سے (یہ اسلئے کیا گیا ہے) تاکہ انسانوں میں بعض بعضوں سے کام لیں۔

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں:-

> اس کا مطلب آج ہی نہیں' صدیوں پہلے' مشہور مفسرِ قرآن' القاضی البیضاوی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: "بعض انسانوں میں بعض بعض سے اپنی حاجتوں میں کام لیں اور اس ذریعے سے باہم انسانوں میں باہمی الفت پیدا ہوتی ہے' اور بعض بعض کے ساتھ مل گئے ہیں۔ عالم کے نظام کا انتظام اسی پر قائم ہے۔ (صفحہ)

(قرآن کے الفاظ۔ اور اس عبارت میں "بعض بعض" کے معنی ہوتے ہیں ۔۔۔ "ایک دوسرے سے")۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ انسانوں کی تمدنی زندگی میں مختلف قسم کے کام ہوتے ہیں۔ انسانی صلاحیتوں میں اختلاف' تقسیمِ کار کے لئے ہے تاکہ معاشرہ کے تمام امور سرانجام پاتے رہیں۔ یہ ہے "سخریا" کا مفہوم۔

اب آیئے "وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ" کی طرف۔ یہ ظاہر ہے کہ مختلف افراد میں اکتسابِ رزق کی صلاحیتیں مختلف ہوتی ہیں۔ بعض کا رجحان نظری اور علمی ہوتا ہے' بعض کا عملی اور میکانکی' بعض میں ذہنی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے' بعض میں جسمانی قوت۔ ہم اس وقت اس بحث میں نہیں الجھنا چاہتے کہ صلاحیتوں کے اختلاف کے عوامل و اسباب کیا ہوتے ہیں۔ ہم اس وقت صرف اتنا کہہ دینا کافی سمجھتے ہیں کہ "رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ" کے معنی یہ نہیں کہ خدا ہر فرد کی صلاحیتوں کو (اس کی پیدائش سے پہلے ہی) خود متعین کر دیتا ہے اور وہ پھر کچھ ہی کر لے' ان میں نہ تبدیلی ہو سکتی ہے

نہ ترقی ـــــ یعنی جو بچہ شودر کے گھر میں جنم لیتا ہے وہ جو بھی آئے کرے ساری عمر شودر ہی رہتا ہے۔ یہ عقیدہ قرآنی تعلیم کے یکسر خلاف ہے۔ اس نے تعین مدارج کے متعلق خود ہی کہہ دیا ہے کہ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۔ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۔ (۴۶/۱۹)۔ ہر ایک کے مدارج اس کے اعمال کے مطابق متعین ہوتے ہیں، کیونکہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ملتا ہے اور کسی پر کسی قسم کا ظلم نہیں ہوتا۔ لہٰذا "رفعنا" (ہم مدارج بلند کرتے ہیں) میں (نا ـــ ہم) اسی قسم کا ہے جس قسم کا "ہم" ـــ رزق کے معاملہ میں ـــ قسمنا میں تھا۔ اور جس کا مطلب یہ ہے کہ "ہم اپنے مقرر کردہ قاعدے اور قانون کے مطابق ایسا کرتے ہیں"۔ اور خدا کا مقرر کردہ قانون یہ ہے کہ اختلاف مدارج اعمال کی نسبت سے ہوتا ہے۔

یہاں تک بات یوں ہوئی کہ افراد میں صلاحیتوں کا اختلاف، معاشرہ میں مدارج کے اختلاف کی بنیاد نہیں بن سکتی۔ معیار یہ ہوگا کہ ہر شخص اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق کام کس قدر اور کس انداز کا کرتا ہے۔ اس کے اسی کام کے اعتبار سے اس کا درجہ متعین ہوگا۔ اگر ایک معمار نہایت دیانت اور امانت سے اپنے فرائض سرانجام دیتا ہے تو معاشرہ میں اس کا درجہ اس انجینئر سے بلند ہوگا جو کام چور اور بد دیانت ہے۔

اگلا سوال یہ سامنے آتا ہے کہ کیا صلاحیتوں کا اختلاف، امارت اور غربت کا معیار قرار پا سکتا ہے؟ یہ ہے اصل سوال اور نہایت اہم۔ دنیا یہی کہتی ہے کہ جو زیادہ کماتا ہے وہ دولتمند ہے، جو کم کماتا ہے وہ غریب ہے۔ لیکن قرآن اس کا جواب کچھ اور دیتا ہے۔ وہ پہلے ان لوگوں کی ذہنیت کو سامنے لاتا ہے جو کہتے ہیں کہ جو زیادہ کماتا ہے وہ اپنی ساری کمائی کا مالک ہے۔ وہ اس میں سے (اگر اس کا جی چاہے تو) دوسروں کو بطور خیرات کچھ دے دے ورنہ اپنی کمائی کا مالک وہ آپ ہے۔ قرآن اس ذہنیت کو سورۂ النحل کی آیت ۷۱ میں بڑی عمدگی سے بیان کرتا ہے۔ یہ آیت بڑی اہم ہے اور عمیق غور و خوض کی متقاضی۔ ارشاد ہے:۔ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۔ خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق اکتسابِ رزق کی استعداد مختلف لوگوں میں مختلف ہوتی ہے۔ بعض میں کم بعض میں زیادہ۔ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ ۔ جن لوگوں کو زیادہ استعداد حاصل ہوتی ہے وہ اپنی زاید کمائی کو ان لوگوں کی طرف نہیں لوٹاتے جو ان کے ساتھ ان کی ماتحتی میں کام کرتے ہیں۔ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ۔ وہ اس خیال سے ایسا نہیں کرتے کہ اس طرح تو چھوٹے بڑے سب برابر ہو جائیں گے۔ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ (۱۶/۷۱)۔ ایسا خیال کرنے کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ یہ زیادہ استعداد خدا کی طرف سے بطور نعمت عطا ہوئی ہے۔ (۱۶/۵۳) یہ ذہنیت نظامِ سرمایہ داری کی پیدا کردہ ہے جس کا سب سے بڑا نمائندہ قارون تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ (۲۸/۷۸)۔ جو کچھ میرے پاس ہے

یہ سب میری اپنی ہنرمندی کا نتیجہ ہے۔ اور قرآن کہتا ہے کہ یہی ذہنیت سارے فساد کی جڑ ہے۔ (۳۹/۹)

مولانا مناظر احسن گیلانی (مرحوم) اس آیت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

رزقی برتری کا چونکہ صفاتی و کمالاتی برتری کا نتیجہ ہوتی ہے اسلئے اپنے کمالات کی بنیاد پر رزق کا زیادہ حصہ جن لوگوں کے قبضہ میں چلا جاتا ہے وہ اس حصہ کو اپنے کمالات کی قدرتی قیمت سمجھتے ہیں اور اس کا اپنے آپ کو جائز حقدار یقین کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایسا کوئی نہیں ہے جسے اپنے کمالات کی قیمت کی صورت میں زاید حصہ، زیردستوں کے اعتبار سے اگر ملا ہو تو یہ خیال کرکے کہ جو کچھ مجھے ملا ہے میرا نہیں ہے اپنے زیردستوں کو واپس کر دے۔ یعنی اس حصہ کا اپنے آپ کو حقدار قرار دیکر واپس تو کوئی نہیں کرتا البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ اپنا جائز حق قرار دینے کے بعد دوسروں کو وہ عطا کر دے دیدے۔ لوگ رد اور عطا میں فرق نہیں کرتے اس لئے طرح طرح کے مغالطوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ورنہ اگر وہ اس پر غور کریں کہ رد کے معنی واپس کرنے کے ہیں پس رد اور واپسی تو اس چیز کی ہوتی ہے جس کا آدمی مالک ہی نہیں ہوا۔ اور عطا یعنی دینے کا مطلب یہ ہے کہ چیز تو میری ہے میں ہی اس کا ہبہ کرتا ہوں قرآن میں نفی رد کی کی گئی ہے نہ کہ ہبہ اور عطا کی۔ اور ہبہ اور عطا کی نفی کیسے صحیح ہوگی جبکہ رات دن مالداروں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ اپنا مال دوسروں کو عطا کرتے ہیں۔ البتہ یہ کوئی نہیں کرتا کہ جو قیمت اپنے کمال یا مہارت کی کسی کو ملی ہو اسے یہ کہہ کر واپس کر دے کہ اس کا میں حقدار ہی نہیں ہوں پھر لوں کیسے؟ (صـ ۱۱۱)

قرآن انسان کے اندر یہ ذہنیت پیدا کرنا چاہتا ہے کہ زیادہ استعداد کے مالک اپنی زاید کمائی کو اپنا حق ہی نہ سمجھیں، ان کا حق سمجھ کر انہیں لوٹا دیں جن کی کم استعداد کی کمائی ان کی ضروریات پوری کرنے کے لئے کافی نہ ہو۔ اور اس طرح ضروریات پوری ہونے کے اعتبار سے سب برابر ہو جائیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے (زاید کمائی والوں کے متعلق) کہا ہے کہ ـــ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔ (۷۰/۲۵) ان کی دولت میں محتاجوں اور محروموں کا حق ہے۔ اور حق بھی ایسا جو ڈھکا چھپا نہیں، سب کو معلوم ہے۔ اور اسکی حد یہ ہے کہ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۔ قُلِ الْعَفْوَ ۔ (۲/۲۱۹) یہ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہم اپنی کمائی میں سے کسقدر دوسروں کو دے دیں۔ ان سے کہہ دو کہ جس قدر تمہاری اپنی ضروریات سے زاید ہے سبکی سب۔ اسلئے کہ "زاید کمائی" پر تمہارا حق نہیں۔ حق ان کا ہے جن کی ضروریات

پوری نہیں ہوتیں۔

ہر ایک سے اس کی استعداد کے مطابق کام۔
اور اس کی ضروریات کے مطابق کفاف۔

یہ ہے معاشیات کا وہ زریں اصول جسے قرآن نے قائم کیا اور جسے حضورؐ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے عملاً کر کے دکھایا۔ میدانِ جنگ میں ہر مجاہد (مومن) اپنی اپنی استعداد کے مطابق خدمات سرانجام دیتا تھا۔ لیکن مالِ غنیمت کی تقسیم میں حضورؐ کا اصول یہ تھا کہ شادی شدہ کو دُگنا حصہ ملتا تھا اور مجرّد کو ایک۔ کیونکہ شادی شدہ کی ضروریات مجرّد سے زیادہ تھیں اور یہی تھا وہ اصول جس کے مطابق حضرت صدیق اکبرؓ نے وظائف کا تعین کیا تھا ـــــ اصول، خدمات کا معاوضہ نہیں تھا۔ ضروریات کا تقاضا تھا۔

یہ ہیں وہ اصول جن کے مطابق "خدا اپنے بندوں میں رزق کی تقسیم کرتا ہے"۔ آپ نے غور فرمایا کہ بادشاہ گل بخاری، اور اسی زمرے کے دیگر حضرات، (لعنت ہائے حجازی کے قاروں ہوں تو ہوں لیکن) قرآن فہمی کے معاملہ میں کنگلے کورے ہوتے ہیں۔ یہ اسلئے کہ قرآن ان کے کسی کام ہی نہیں آتا۔ (بجز ختم پڑھنے یا رمضان شریف میں ختم کرنے کے)۔ اسی لئے یہ ان کے نصاب تک میں داخل نہیں ہوتا۔ ان کا سارا کاروبار فقہ پر چلتا ہے اور فقہ عباسی ملوکیت کے زمانہ میں مرتب ہوئی اور سرمایہ دارانہ ماحول میں پروان چڑھی۔ اسلئے اگر وہ نظامِ سرمایہ داری کو "خدائی سند" عطا کرنے کے لئے غریبی اور امیری کو خدا کی غیر متبدل ازلی تقسیم نہ کہیں تو اور کیا کہیں۔ قرآنی اقدار و نظام تک پہنچنا ان بیچاروں کے بس کی بات ہی نہیں۔ اقبالؔ کے الفاظ میں ؎

مکتب و ملّا و اسرارِ کتاب
کورِ مادر زاد و نورِ آفتاب

اِسے نوٹ فرمالیں

پرچہ نہ ملنے کی اطلاع ہر ماہ کی پندرہ تاریخ تک بھیج دیجئے۔ آپ کو دوبارہ پرچہ بھیجا جائیگا۔ اسکے بعد اطلاع دینے والے احباب کو پرچہ اسی صورت میں بھیجا جائے گا کہ وہ سٹاک میں موجود ہو اور وہ بھی قیمتاً بھیجا جائے گا۔

(ناظم ادارہ طلوعِ اسلام)

محمد اسلام
(نمائندہ بزمِ طلوعِ اسلام، کراچی)

جدید نظامِ تعلیم

طلوعِ اسلام کانووکیشن ۱۹۶۹ء

جناب صدر، معزز خواتین و حضرات! السلام علیکم۔

تاریخ انسانیت پر نظر ڈالنے سے یہ شہادت ملتی ہے کہ انسانی تہذیب کی دو بنیادیں قدیم سے چلی آتی ہیں۔ ایک بنیاد وہ ہے جو بنی نوعِ انسان کو خطۂ یونان سے ملی، جسے یونانیت کہا جاتا ہے، دوسری وہ جو ارضِ مقدس کی پیداوار ہے، جسے عام طور پر عبرانیت سے موسوم کیا جاتا ہے۔

انسانی تہذیب کی ان دو بنیادوں کا مطمعِ نظر مشترک ہے۔ دونوں انسانی ہستی کی تکمیل اور اس کی نجات کی خواہاں ہیں مگر تکمیل اور نجات کے حصول کے طریقے دونوں کے جداگانہ ہیں۔

یونانیت کی بنیاد علم پر ہے۔ اس کے نزدیک وہی فرد یا قوم عروج حاصل کر سکتی ہے جو علم کے زیور سے آراستہ ہو، اشیاء کی ماہیت سے واقف ہو۔ خود کو پہچانتی ہو۔ وہ اسی کو انسانی ہستی کی معراج سمجھتی ہے۔ تزکیۂ نفس کا ذریعہ بھی اس کا حصول علم ہی ہے۔

اس کے برعکس عبرانیت کی بنیاد اعتقاد اور فرمانبرداری پر ہے۔ اس کا اعلان یہ ہے کہ فرد اپنی داعیات کو لبیک کہتے ہوئے ان کی ہدایات پر آنکھیں بند کئے عمل پیرا رہے۔ وہی فرد بہترین انسان کہلانے کا مستحق ہے جو اطاعت و فرماں برداری میں مثال قائم کر دے۔

تہذیب کی یہی دو بنیادی قدریں ایک زمانے تک بنی نوعِ انسان کی رہنمائی کرتی رہی ہیں۔ مختلف اقوام نے اپنی اپنی تہذیب پیدا کرنے میں ان میں سے کسی ایک کو ہی بنیاد قرار دیا ہے۔ لیکن جیسا کہ ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی بنیاد بھی ایک مکمل تہذیب کو جنم دینے کی اہل ثابت نہ ہو سکی۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ یونانیت ہو یا عبرانیت، دونوں کا زندگی کے ایک ہی پہلو پر تمام زور صرف ہوا ہے۔ یونانیت علم پر زور

دیتی رہی اور علم بھی وہ علم جو حواسِ خمسہ کے ذریعہ حاصل ہو اور کون نہیں جانتا کہ حواسِ خمسہ کا پرواز مادہ سے اُٹھ کر مادہ پر ہی ختم ہو جاتی ہے۔ مابعد الطبیعات کے بارے میں وہ صرف ظن و گمان سے کام لیتی ہے۔ لہٰذا یونانیت کا اندازِ نظر محدود ہو کر رہ گیا اور اس درجہ سمٹ گیا کہ عناصر کی حدود سے آگے بڑھنا یا اُبھرنا اسکے لئے دشوار ہی نہیں ناممکن بن گیا۔

اسی طرح عبرانیت مابعد الطبیعاتی عقاید کو پوری عقیدت سے پالتی پوستی رہی اور اس طرح وہ انسان کے لئے روحانی فتوحات کا دروازہ کھولتی رہی لیکن وہ ارضی ماحول سے اس درجہ غیر متعلق رہی کہ تسخیرِ فطرت کے ذریعہ انسان کو جو قوتیں نصیب ہو سکتی تھیں اُن سے یکسر محروم رہ گئی۔ اس طرح اگر ایک کا رجحان فیضِ عقلِ کُل بن کر رہ گیا تو دوسری کا روحِ کُل۔

اسلام سے پہلے کا مشرق انہی نظریات کا ترجمان رہا ہے۔ اس دور تک اس جمود کو کوئی نہ توڑ سکا۔ یہاں تک کہ حضرت مسیح علیہ السلام کیطرف منسوب کردہ خدائی تعلیمات میں بھی اتنی قوت نہ تھی کہ وہ یونانیت اور عبرانیت کے اس طلسم کو توڑ کر بنی نوعِ انسان کو ایسی تہذیبی قدروں سے روشناس کرائیں جن کی مدد سے ایک عالمگیر تہذیبِ انسانی وجود پذیر ہو سکتی۔

آخر یہ کام رسولؐ کافۃً للناس کے سپرد ہوا۔ انہوں نے اعلان کیا کہ تنہا علم اور عقل انسانی زندگی کے مسائل حل کرنے کے لئے کافی نہیں اور نہ ہی تنہا روحانیت انسانی ذات کی نشوونما کی ضامن بن سکتی ہے۔ قرآن کریم نے تنہا علم اور عقلِ انسانی کے علمبرداروں کو چیلنج کیا اور کہا

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ۝ (۱۸/۱۰۳-۱۰۵)

ان سے کہو کہ تمہیں ہم بتاتے ہیں کہ وہ کون لوگ ہیں جن کی تمام سعی و عمل کا نتیجہ نقصان کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے تمام پروگرام زندگی مفاد خویش کے حصول میں ضائع ہو جاتے ہیں۔ اور وہ اپنے دل میں سمجھتے ہیں کہ ہم بہت بڑے تعمیری کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کے قانونِ ربوبیت سے انکار کرتے ہیں اور حقائق کا سامنا کرنے سے جی چراتے ہیں۔ سو ان کے پروگرام بظاہر بڑے خوش آیند دکھائی دیتے ہیں لیکن ان کے ٹھوس نتائج کبھی بھی مرتب نہیں ہو سکتے۔ قیامِ انسانیت کے پروگرام میں انکے اعمال کا کوئی وزن نہیں ہوگا۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِيْنَةٌ ۔ (۵۷/۲۰)

مفادِ خویش کے حصول کے نظریہ کے ماتحت زندگی کی معاشی جدوجہد بے مقصد حرکت اور منزل سے غافل کر دینے والی جاذبیتوں سے زیادہ کچھ نہیں)

نیز رہبانیت کو انسانی ذات کے نشوو ارتقاء کا ذریعہ بنانے والے سے قرآن نے کہا:۔

وَ رَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۔۔۔۔ (۵۷/۲۷)

یہ مسلکِ رہبانیت ان لوگوں کا خود تراشیدہ ہے۔ ہم نے انہیں اس مسلک کا حکم نہیں دیا تھا۔ ہم نے (اس کے برعکس) اُن سے کہا تھا کہ تم اپنی زندگی کو قانونِ خداوندی سے ہم آہنگ رکھو۔ انہوں نے اس کی بجائے اس روش کو اختیار کر لیا۔)

اور اس کے بعد اُس نے واضح طور پر اعلان کیا کہ

وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَ ذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ (۷/۱۸۰)

صفاتِ خداوندی میں حسن کارانہ توازن ہے۔ اسلئے اسے ان تمام صفات کے ساتھ پکارو (اختیار کرو) اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اُن میں سے ایک طرف ہٹ جاتے ہیں۔

انسانی دنیا میں صفاتِ خداوندی کے اس حسن کارانہ توازن کے عملی مظاہرے کے لئے رسُولِ کافۃً للناس کو ہدایت دی گئی کہ وہ — وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ — پر عمل کر کے ایک نئی عالمگیر تہذیب کی بنیاد رکھیں۔

تعلیم کتاب سے آپ نے زندگی کے غیر متبدل قوانین اور مستقل اقدارِ حیات سے عرب کی اس قوم کو روشناس کرایا اور تعلیم و حکمت سے انہیں عقل و فکر اور علم و بصیرت کی بناء پر قوانین کی غرض و غایت سمجھنے کے قابل بنا دیا اور تزکیہ سے ان کی تربیت اس انداز سے کی کہ دیکھتے ہی دیکھتے عرب کی اس جاہل اور وحشی قوم کی ذہنی سطح انتہائی بلند ہو گئی۔ ان کی انسانی صلاحیتیں پھلنے پھولنے لگیں۔ ان کے قلب و نگاہ میں ایک خوشگوار انقلاب واقع ہو گیا۔ انکے اقدار کے پیمانے بدل گئے۔ ان کی زندگی کے مقاصد بدل گئے۔ ان کا مطمعِ نظر بدل گیا۔ ان کا نصب العینِ حیات بدل گیا۔ وہ قوم کچھ سے کچھ بن گئی۔ ان کی ان نمایاں تبدیلیوں کے مظاہرے ان کی زندگی کے ہر شعبے میں محسوس طور پر سامنے آنے لگے۔ (انکی علمی سطح بلند ہو گئی ان کے ذوقِ حسن و زیبائی میں جسے کلچر کہا جاتا ہے' پاکیزگی اور نفاست پیدا ہو گئی۔ ان کے انداز و اطوار میں حسن پیدا ہو گیا۔ ان کی رفتار و گفتار میں شائستگی آ گئی۔ ان کی فکر میں سنجیدگی اور عمل میں توانائی پیدا

ہو گئی۔ ان کی انسانی صلاحیتوں میں بالیدگی سے ان کی سیرت میں پختگی اور کردار میں بلندی پیدا ہو گئی۔ ان میں سہار اور برداشت کا مادہ بڑھ گیا۔ ان کے مزاج میں اعتدال پیدا ہو گیا۔ ان کے اقتدار کے پیمانے بدل جانے سے نفع و نقصان کا معیار بدل گیا) اور یوں اس قوم کی زندگی اس دنیا میں بھی جنت بداماں ہو گئی اور آخرت میں بھی فردوس بدوش۔

قرآنِ کریم نے کہا تھا۔

وَ اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ ۰ (۱۳/۱۷)

اور جس چیز (نظام یا نظریہ یا تصور) میں نوعِ انسانی کی منفعت ہوتی ہے وہ دنیا میں باقی رہ جاتا ہے۔

دین و دنیا کی ثنویت کو ختم کر کے، یُزَکِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَةَ "پر جس نئی عالمگیر تہذیب کی بنیاد نبی اکرمؐ نے رکھی تھی اس کے عملی اور تعمیری نتائج سے نوعِ انسانی کسقدر مستفید ہوئی، اس کے متعلق مشہور عالم مفکر (BRIFFAULT) برفالٹ اپنی کتاب (THE MAKING OF HUMANITY) دی میکنگ آف ہیومینٹی میں لکھتے ہیں۔

اگرچہ یورپ کی ترقی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس میں اسلامی تہذیب کے فیصلہ کن اثر کے نشانات موجود ہوں۔ لیکن یہ اثر کہیں بھی اتنا واضح اور اہم نہیں جتنا کہ اس طاقت کے ظہور میں ہے جو دنیا سے جدید کے مخصوص اور مستقل قوت اور اسکی کامیابی کا سب سے بڑا راز ہے یعنی سائنس اور سائنسی طرزِ فکر۔ (صفحہ ۱۰۹)

اسی کتاب کے صفحہ ۹ پر وہ لکھتے ہیں:۔

ہماری سائنس فقط انقلاب آفریں نظریات کی حیرت انگیز ریاضت کے لئے ہی علومِ عرب کی احسان مند نہیں بلکہ سائنس اس سے بھی بڑے احسان کے لئے عربوں کی تہذیب کی مرہونِ منت ہے۔ اور اصل بات تو یہ ہے کہ وہ خود اپنے وجود ہی کے لئے اس کے زیرِ احسان ہے۔

ہندوستان میں جب انگریز نے اپنے قدم جمائے تو اس نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ مسلمان ہی وہ قوم ہے جو اس کے تغلب و استیلا کے راستے میں روڑا بن سکتی ہے۔ چنانچہ اس نے اس قوم کو اپنے مطلب کے مطابق بنانے کے لئے ایک غیر محسوس تیر بہدف نسخہ استعمال کیا۔ اس نے اس قوم کے نظامِ تعلیم کو بدل دیا۔ اور اس ایک تبدیلی سے تھوڑے سے عرصے میں پوری قوم بدل گئی۔ یہ تھی وہ قومِ غالب کی سحر آفرینی جو قومِ مسلم کی تبدیلیٔ احوال یعنی تبدیلیٔ ذہنیت کا موجب بنی۔ یہی وہ تعلیم تھی جس نے پوری کی پوری قوم کو تباہ

کر کے رکھ دیا۔

عزیزانِ محترم! قرآن کریم نے کہا تھا کہ تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ انسان کائنات کی ہر شے کی صحیح قیمت جانے اور پھر اپنا مقام پہچانے۔ انسان، کائنات اور خالق کائنات کے باہمی تعلق کو سمجھے۔ اسی کا نام علم صحیح اور دین صحیح ہے۔ اگر یہ تعلق غلط خطوط پر متعین ہو جائے تو نظام انسانیت میں فساد ہی فساد برپا ہو جاتا ہے۔ مغرب نے خدا، انسان اور کائنات کے اقنوم ثلاثہ میں سے سب سے پہلے خدا کو الگ کیا۔ علم انسان کا منتہیٰ تسخیر فطرت اور اس سے حاصل شدہ قوتوں کو اپنے تغلب و تسلط کے لئے استعمال کیا۔ جب اس تعلیم کو وہ محکوم قوموں تک لائے تو تسخیر فطرت کے رموز و اسرار بھی ان کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھ لئے۔ جو باقی رہ گیا وہ بجز اس کے کچھ نہ تھا کہ مغرب کی برتری کو ذہنوں پر مسلط کر دیا جائے اور اس جذبۂ مرعوبیت کے ماتحت انکی کیفیت یہ ہو جائے کہ اپنی قدروں سے نفرت ہوتی جائے اور حاکم قوم کی ہر ادا میں شانِ محبوبیت جھلکتی نظر آئے۔ چنانچہ رفتہ رفتہ قوم کی یہ حالت ہو گئی کہ — لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۔ دل اپنے ہیں لیکن سوچتے اور فیصلے کرتے ہیں دوسروں کی روشنی میں، آنکھیں اپنی ہیں لیکن دیکھتے دوسروں کی بصارت سے ہیں، کان اپنے ہیں لیکن سنتے دوسروں کی قوتِ سماعت سے ہیں — أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۔ انسان نہیں انسان نما حیوان، نہیں بلکہ ان سے بھی گئے گذرے۔ نتیجہ یہ کہ ذہنوں میں افکار مستعار، دلوں میں مقاصد دوسروں کے پیدا کردہ، نگاہوں کے زاویئے اوروں کے متعین کردہ۔ زبان اِن کی ہے بات اُن کی، چراغ اِن کا ہے روشنی اُن کی۔

رسولِ عربیؐ کی امت کی اس علمی، فکری اور اخلاقی پستی پر خالقِ کائنات کو رحم آیا۔ اور اس نے سرسید علیہ الرحمتہ۔ علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ جیسی ہستیوں کو جنم دیا۔ انہوں نے تعلیم، تربیت اور تنظیم کے فرائض سنبھالے۔ سرسیدؒ نے اپنی انتھک کوششوں اور مجاہدانہ کاوشوں سے ہمارے فکری دروازوں پر صدیوں کے پڑے ہوئے زنگ خوردہ تالوں کو کھولنے میں جرأت مندانہ اقدام کیا اور اس کے خوشگوار نتائج قوم کے سامنے آنے شروع ہو گئے۔ قوم میں دورِ حاضرہ کے علوم کی تحصیل اور عصری تحقیقات میں دلچسپی بڑھتی گئی۔ یہاں وہاں عقل کے چراغ روشن اور فکر کی شمعیں تابندہ ہونے لگیں۔ قدیم نظریات و تصورات کا جائزہ فہم و بصیرت اور علم و شعور کی روشنی میں لیا جانے لگا۔ رفتہ رفتہ توہم پرستیاں کم ہونے لگیں اور زندگی کے حقائق ابھر کر سامنے آنے لگے۔ اس سے ذہنوں میں جلا اور فکر میں بالیدگی پیدا ہونی شروع ہو گئی۔ خانقاہیت، پیر پرستی۔ قبر پرستی، ملاازم سمٹتے چلے گئے۔ مذہبی مکتبوں اور دار العلوموں میں کمی اور مدرسوں اور کالجوں میں اضافہ ہونے لگا۔ پیر پرستی قوم کے جاہل طبقہ تک محدود ہو کر رہ گئی۔

تقسیم ہند تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ لیکن آزادی ملنے کے بعد یہ تمام رجعت پسند قوتیں اس طرح ہجوم کر کے سیلابِ بے پناہ کیطرح اُمنڈ آئیں کہ قوم کا کوئی طبقہ بھی اُن سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اب پیر پرستی جہلا کا خاصہ نہیں رہا۔ ملک کا "دانش ور طبقہ" بطورِ نیشن اسے اختیار کر رہا ہے۔ اچھے اچھے پڑھے لکھے لوگ پیروں اور خانقاہوں سے وابستگی کا ذکر بڑے فخر سے کرنے لگے۔ خانقاہوں کے آستانوں پر کرتے اور تہبند سے کہیں زیادہ کوٹ اور پتلونیں دکھائی دینے لگیں۔ یہی حال علمی درسگاہوں کا ہے۔ ہمارا نظامِ تعلیم وہی ہے جو کبھی غلامی کے زمانے میں متعین ہوا تھا۔ لیکن ان درسگاہوں، کالجوں سے جو نوجوان ڈگریاں لے کر باہر آتے ہیں انکی علمی قابلیت کا مقابلہ انگریز کے زمانے کے گریجوایٹوں سے لگائیے اور پھر دیکھئے کہ ہمارا معیار کس قدر پست ہو چکا ہے۔ ان درسگاہوں کے اساتذہ پر نگاہ ڈالئے اور ان کا مقابلہ قبل از تقسیم کے اساتذہ سے کیجئے۔ وہاں بھی یہی پستی نظر آئے گی۔ انہی درسگاہوں کے فارغ التحصیل طلباء بعد میں ملک کا علمی طبقہ بنتے ہیں۔ آپ سرسیدؒ، علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ کے دور کے علمی طبقہ کو لیجئے اور پھر ایک نگاہ موجودہ دور کے علمی طبقہ پر ڈالئے۔ علمی انحطاط اُبھر کر سامنے آجائے گا۔ چھپنے کو جس قدر کتابیں آج ایک ماہ میں ہمارے ملک میں چھپتی ہیں اُس زمانے میں شاید ایک سال میں بھی نہ چھپتی ہوں گی۔ لیکن ذرا اس پر نگاہ ڈالئے کہ ان کتابوں کی عمر کتنی اور علمی قیمت کیا ہوتی ہے۔

یہی حال صحافت کا ہے۔ دورِ حاضرہ کی صحافت کا مقابلہ قبل از تقسیم سے کیجئے، نمایاں فرق سامنے آجائیگا۔ تعداد کے لحاظ سے ہزار گناہ سے بھی زیادہ لیکن معیار کے اعتبار سے اتنی ہی پست۔ ہمارے دور کے صحافی کا نصب العین یہ نہیں کہ عوام کے ذوق اور فکری سطح کو بلند کیا جائے بلکہ ہماری تگ و تاز کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ عوام کی سطح کے مطابق مسالہ دیئے جائیں اور وہ بھی سنسنی خیز انداز میں، تاکہ اشاعت بڑھے۔ نتیجہ یہ کہ ہماری صحافت میں دن بدن بازاریت زیادہ اور ثقاہت کم ہوتی جا رہی ہے اور اسی نسبت سے قوم کا مزاج بگڑتا جا رہا ہے۔

تقسیم سے قبل جس قدر مکتب اور دارالعلوم پورے ہندوستان میں تھے، ان سے کہیں زیادہ صرف مغربی پاکستان میں ہو گئے اور ان کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ان تعلیم گاہوں سے ہر سال ہزاروں کی تعداد میں وہ لوگ باہر آ رہے ہیں جو لاکھ باہمی اختلافات کے باوجود ایک بات میں سب متفق ہیں اور وہ یہ کہ قوم کی ذہنی اور فکری سطح بلند نہ ہونے پائے۔ وہ فوج در فوج اس جہادِ عظیم میں مصروفِ پیکار رہتے ہیں کہ عقل و فکر کے چراغوں کو گُل کر دیا جائے اور علم و بصیرت کے دروازوں کو اس طرح مقفل رکھا جائے کہ زمانے کے ہزار تقاضے بھی انہیں نہ کھول سکیں۔ وہ عوام کو دن رات توہم پرستی

کی انہوں نے اس خوش فہمی میں مبتلا رکھے ہوتے ہیں کہ جنت تک پہنچنے کا صحیح طریق یہ ہے کہ وہ آنکھ بند کر کے اُن کے پیچھے چلتے جائیں اور اس طرح وہ ملک کی کثیر آبادی کو اپنے پیچھے لگا کر اتنی قوت حاصل کر لیتے ہیں کہ وہ جسے جی چاہے ڈراتے اور دھمکاتے پھریں۔

یہ ہے وہ مقام جس تک قوم ذہنی، فکری اور حسنِ ذوق کے اعتبار سے آچکی ہے اور اس کا دن بدن تنزل ہوتا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیۂ نفس یعنی انسانی صلاحیتوں کی نشو ونما کے بنیادی اور اہم ترین فریضہ کو درخورِ اعتنا ہی نہیں سمجھا گیا۔

حضرات یوں تو صدیوں کے پے در پے اور ناکام تجربوں نے نوعِ انسانی کو مایوسی اور شکست کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں لاکھڑا کیا ہے، ذہنِ انسانی کی مسلسل کاوشیں صحرائے نامرادی میں دم توڑ رہی ہیں اور کوئی نشانِ منزل نگاہوں کے سامنے نہیں۔ نوعِ انسانی نامرادیوں اور حرماں نصیبیوں کے اس نازک مرحلے سے دوچار تھی اور فضائے کائنات پر مایوسیوں کا یہ اندوہناک سماں طاری تھا کہ فضاؤں میں ایک انوکھی اور دلنشیں آواز فردوسِ گوش بنتی سنائی دی۔ یہ آواز انسانی نجات وسعادت کے اس آخری اور مکمل ضابطۂ حیات کی نقیب تھی جو چودہ سو برس قبل خالقِ کائنات اور رب العالمین کی بارگاہِ عظیم سے حضور رسالتمآب کی وساطت سے انسانوں کو عطا ہوا۔ اور عالم آرائی اور درخشندہ اور حسین ترین نقوش صفحۂ ارض پر قائم کرنے کے بعد اب ریشمی غلافوں میں لپٹا پڑا ہے۔ یہ انوکھی اور دلنشیں آواز تھی مفکرِ قرآن علامہ پرویز صاحب کی جو یہ نغمہ الاپتی منظرِ عام پر آئی۔

میرا ایمان ہے اور میں اس ایمان کے سہارے زندہ ہوں کہ اگر آج بھی قرآن سے ان تو بر توپردوں کو الگ کر دیا جائے جو انسانی تصورات نے اس پر ڈال رکھے ہیں اور سیرتِ محمدیہ کو اُن حشو و زوائد سے پاک کر دیا جائے جو ہماری ناعاقبت اندیشیوں اور غلط عقیدت مندیوں نے اس ذاتِ اقدس و اعظم کی طرف منسوب کر رکھے ہیں تو اندھیرے میں بھٹکنے والی انسانیت اب بھی زندگی کی اس متوازن و ہموار راہ پر لگ سکتی ہے جو اُسے سیدھی شادابیوں اور کامرانیوں کی جنت کی طرف لے جانے والی ہے۔ اس لئے کہ قرآن کا مقصود انسانیت سازی ہے جس کا مشہود پیکر ذاتِ محمدی ہے۔ لیکن وہی مشہود پیکر جسے قرآن نے پیش کیا ہے جب تک دنیا اس مقام تک نہیں پہنچتی شرف و عزیمت کی فیروزمندیاں اُس کے حصے میں نہیں آسکتیں اور اس مقام تک پہنچنا اسی صورت میں ممکن ہے کہ قرآن اور سیرتِ صاحبِ قرآن علیہ التحیۃ والسلام دنیا کے سامنے اپنی اصلی شکل میں آجائے۔

قوموں کے عروج و زوال اور ان کی موت و حیات پر روشنی ڈالتے ہوئے موصوف نے فرمایا۔ قومیں

محض سامانِ خورد و نوش اور آلاتِ حرب و ضرب کے سہارے ہی زندہ نہیں رہا کرتیں۔ ان کی زندگی انکی پختگیٔ عقاید اور بلند سیرت سے وابستہ ہوتی ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو صنائع و محارب کے ہزار سامان بھی انہیں محفوظ نہیں رکھ سکتے۔ اور یہ ہوں تو اسباب و ذرائع کی بہت سی کمیاں بھی پوری ہو جاتی ہیں۔

آپ نے فرمایا "قوموں کی زندگی نفس شماری سے نہیں نفس گدازی سے ماپی جاتی ہے۔ قوموں کی ہلاکت سے یہی مفہوم نہیں کہ ان کی نسل سے صفحۂ ارض پر کوئی متنفس باقی نہ رہے۔ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ ان کا کوئی مخصوص تصورِ حیات نہ رہے۔ اسبابِ ذرائع اور ساز و یراق اس تصورِ حیات اور آئینِ زندگی کے تحفظ کے لئے ہوتے ہیں نہ کہ مقصود بالذات۔ اگر یہ تصورِ حیات ہی باقی نہ رہے تو پھر اجسام کی حفاظت ایسی ہی ہے جیسے کسی نیام بے شمشیر کی حفاظت۔ اصل قیمت گوہر کی ہے نہ کہ صدف کی۔ بلا تصورِ حیات زندگی ایک جسدِ بے روح ہے جس کی حفاظت کی بھی جائے تو سوائے اس کے کہ وہ ممی خانوں کی زینت بن جائے اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ حیوان اور انسان میں فرق یہ ہے کہ وہ محض اپنے جسم کو زندہ اور متحرک رکھنے کی خاطر زندہ رہتا ہے اور انسان زندگی کی حفاظت اسلئے کرتا ہے کہ یہ ایک مقصد کے حصول کا ذریعہ ہوتی ہے اگر مقصد ہی سامنے نہ رہے تو پھر انسانی زیست اور حیوانی تگ و تاز میں کچھ فرق نہیں رہتا۔"

آپ نے لکھا "قوموں کی تعمیر کے دو گوشے ہوتے ہیں۔ ایک تو موجودہ نسل میں صلاحیتوں کی بیداری اور دوسرے آنے والی نسلوں کی صحیح تعلیم و تربیت۔ ہو سکتا ہے کہ کسی قوم کی موجودہ نسل میں ارتقاء و ارتقاء کی صلاحیتیں ہی باقی نہ رہی ہوں۔ اس صورت میں اربابِ فکر و نظر کی پوری توجہات آنے والی نسل پر مرکوز ہو جاتی ہیں تاکہ یہ اُبھرنے والے بچے پیکرِ آب و گِل کے بجائے زندگی کے جیتے جاگتے مجسمے بن کر سامنے آئیں۔"

آپ نے فرمایا "تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ ایک تندرست و توانا جسم کے اندر قلبِ صالح کی تعمیر کی جائے۔ تعلیم کا معیار یہ ہونا چاہیئے کہ وہ انسان کی عملی زندگی کی تجربہ گاہ میں پورا اُترے اور اس سے انسان اس قابل ہو جائے کہ وہ نوعِ انسانی کی بہبود اور منفعت کے کاموں میں عملاً حصہ لے سکے۔ ہماری تعلیم کا اولین مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ زندگی کا تصور جس کے لئے پاکستان کا وجود عمل میں آیا تھا صاف اور واضح طور پر ذہن نشین ہو جائے اور اسکی صداقت و حکمیت کا یقین دل میں راسخ ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ وہ نہج زندگی اور فلسفۂ حیات اس کے سوا اور کون سا ہو سکتا ہے جسے خدا نے ہمارے لئے متعین کیا ہے۔ اسی کو اسلام یا الدین کہتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اس کے لئے واضح طور پر معلوم ہونا چاہیئے کہ اسلام یا دین کیا ہے۔ اس کے تقاضے کیا ہیں۔ اس کا مقصود و مطلوب کیا ہے۔ وہ کس قسم کے انسان پیدا کرنا چاہتا ہے۔ ان انسانوں کا نصب العین

کیا ہوگا اور ان کی سیرت و کردار کس قسم کا ہوگا۔ یہ انسان کس قسم کا معاشرہ قائم کرینگے۔ اس معاشرہ کے نتائج خود اپنی مملکت کے لئے کیا ہونگے اور باقی عالم انسانیت کے لئے کیا۔ اسی کا نام اسلامی تعلیم ہوگا۔

تعلیمی اسکیم اور نظامِ تعلیم پر توجہ مبذول کراتے ہوئے پرویز صاحب نے لکھا۔ خدا کی اس صفتِ رب العالمینی کو ایک زندہ حقیقت بنانے کے لئے ـــ بالفاظِ دیگر اسلام کو بحیثیت ایک نظامِ زندگی متشکل کرنے کے لئے ـــ پہلا مرحلہ یہ ہے کہ اس فکر کو زیادہ سے زیادہ عام اور اس تصور کو اُجاگر کیا جائے۔ اس وقت تک میں نے یہی کیا ہے۔ اس کے بعد اگلا مرحلہ یہ ہے کہ ہم اپنی آنے والی نسلوں کی تعلیم و تربیت اس انداز سے کریں کہ اس نظامِ خداوندی کا قیام، ان کے جذبات کا تقاضا، انکی آرزوؤں کا مرکز، ان کی کوششوں کا محور اور ان کی زندگی کا مقصد بن کر ان کے دل کی گہرائیوں سے اُبھرے۔ بدقسمتی سے ہمارا موجودہ نظامِ تعلیم بڑا ناقص اور ہماری اُبھرنے والی نسلوں کے لئے سمِ قاتل ہے۔ میں نے اٹھارہ برس میں قوم کی توجہ اس اہم اور بنیادی مسئلہ کیطرف منعطف کرانے کی کوشش کی لیکن دیکھا یہ کہ قوم کو سرِدست کسی سنجیدہ معاملہ کیطرف توجہ دینے کی فرصت نہیں۔ اس نے زیادہ سے زیادہ کیا تو اتنا کہ اسکولوں اور کالجوں میں اسلامیات کے پیریڈ کا اضافہ کر دیا یا اسے ایم اے میں ایک مضمون کی حیثیت دے دی۔ اس اسلامیات نے نوجوان طالب علموں کو اور بھی مذہب گزیدہ بنا دیا۔ پہلے اگر وہ دین سے بے گانہ تھے تو اب وہ اس سے متنفر ہو گئے اور اس کے بعد یکسر سرکش ـــ یہ ہیں وہ جوان جو اس وقت قوم کے لئے ایک مسئلہ (پرابلم) بن رہے ہیں (حالانکہ یہ پرابلم خود قوم ہی کی پیدا کردہ ہے) یہی ہیں وہ نوجوان جو آئندہ چل کر خود ایک قوم بن جائینگے۔

ان حالات میں میں نے سوچا کہ اگر مروجہ نظام و نصابِ تعلیم کو ملک گیر حیثیت سے بدلنا میرے بس میں نہیں تو کم از کم میں ایک ایسی درسگاہ (کالج) کے قیام کی کوشش کروں جس میں صحیح قرآنی تصورات کے مطابق تعلیم و تربیت کا انتظام ہو جس میں طریقہ تعلیم یہ ہو کہ طالب علم طبیعیات پڑھیں یا عمرانیات۔ تاریخ پڑھیں یا فلسفہ ـــ وہ معاشیات کا مطالعہ کریں یا سیاسیات کا۔ غرضیکہ وہ علم کے کسی شعبے سے متعلق کیوں نہ ہوں، انہیں یہ بتایا جائے کہ علم کا یہ شعبہ اس پروگرام کی تکمیل میں کس طرح ممد و معاون ہو سکتا ہے جسے قرآن کریم نے انسانی زندگی کا مقصود و منتہیٰ قرار دیا ہے۔

یہ پروگرام اس کے سوا کیا ہے کہ ـــ فطرت کی قوتوں کو مسخر کر کے انہیں وحیٔ خداوندی کی روشنی میں نوعِ انسان کی منفعتِ عامہ کے لئے صرف کیا جائے۔ بالفاظِ دیگر اس تعلیم و تربیت کے ذریعے طالبعلموں کے دل و دماغ میں اس حقیقت کو راسخ کر دیا جائے کہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی وحی کی متعین کردہ

مستقل اقدار کے تابع رکھنا ہی شرفِ انسانیت کا ضامن ہو سکتا ہے۔ اس سے ان کی سیرت میں پختگی، اور کردار میں وہ پاکیزگی پیدا ہو جاتے کی جس کے فقدان کا ہم اس وقت اس قدر رونا روتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ جب تک اس انداز کی اپنی یونیورسٹی قائم نہ ہو، اس کالج میں عام تعلیم یونیورسٹی کے منظور شدہ قاعدے کے مطابق دی جائے تاکہ وہاں کا فارغ التحصیل طالب علم زندگی کے کسی شعبے میں دوسرے کالجوں کے طالب علموں سے پیچھے نہ رہ جائے۔

یاد رکھیئے! میں اپنی قوم کے نوجوانوں سے مایوس نہیں ہوں۔ ان میں بڑی صلاحیتیں ہیں لیکن یہ ہماری غلط تعلیم اور تربیت کا نتیجہ ہے کہ ان کی صلاحیتیں صحیح اقدار کے ساحلوں کے اندر رہ کر جوئے حیات بخش بننے کے بجائے حدود ناآشنا سیلابِ بے پناہ بن جاتی ہیں جس کا نتیجہ تباہی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اگر ان کی صلاحیتوں کو انسانیت ساز اقدار کا پابند بنا دیا جائے تو آپ دیکھیں گے کہ یہی نوجوان کس طرح تقدیرِ ملت کے درخشندہ ستارے بن جاتے ہیں۔

یہ ہے عزیزانِ من! میرے سامنے (یوں کہیئے کہ) میری زندگی کا آخری نصب العین لیکن اس کا حصول ظاہر ہے کہ میرے اکیلے کے بس کی بات نہیں۔ میں ان تمام احباب سے جو میری قرآنی فکر سے متفق ہیں اور اس درسگاہ کی اسکیم کو مفید خیال کرتے ہیں، اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس اسکیم کو کامیاب بنانے کے لئے تعاون کریں۔ اگر آپ حضرات کی رفاقت سے یہ درس گاہ قائم ہو گئی تو مجھے یقین ہے کہ یہ ہمارے تعلیمی نظام میں تبدیلی پیدا کرنے کے لئے مثال کا کام دے گی۔ اس سے ہماری قوم ایک نیا موڑ مڑ جائیگی۔ اس سے تاریخ کے دھارے کا رُخ بدل جائے گا اور اس میں حصہ لینے والوں کا نام زمانے کے صفحات پر سورج کی کرنوں سے لکھا جائے گا۔"

حضرات! محترم پرویز صاحب نے نہ صرف حیاتِ نو کی راہوں کی واضح نشان دہی کر دی ہے بلکہ حیاتِ جاوید کے حصول کے لئے واحد صراطِ مستقیم پر لا کھڑا کیا ہے۔

آپ قرآنِ کریم کے طالب علم ہیں۔ آپ کو اس کا بخوبی احساس ہوگا کہ زندگی کی بقا کا راز مُدعا میں ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو زندگی کی قوتیں پارے کی طرح مضطرب، بے قرار و پریشان رہتی ہیں۔ اور آپ اس سے بھی بے خبر نہیں کہ زندگی یہ ہے کہ انسان کے سامنے ایک درخشندہ نصب العین ہو اور اس نصب العین کے حصول کی تڑپ برقِ تپاں کی صورت میں رگ و پے میں جاری و ساری۔ زندگی کی حرکت، مقصد اور اس کے حصول کے لئے سعی و عمل سے متعین ہوتی ہے اور مدعا کی حرارت سے اپنے آپ کو جلاتی ہے تاکہ اس سے ایک جہانِ نو کی تعمیر ہو سکے۔

اور پھر خدا کے اس فرمان پر تو آپ یقینِ محکم رکھتے ہیں کہ

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ط (٦٧/٢)

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ط (٨/٤٢)

قانونِ ارتقا کی اصل یہ ہے کہ وہی نوع باقی رہتی ہے اور آگے بڑھ سکتی ہے جس میں حفظِ نفس اور بقائے ذات کی صلاحیت و استعداد موجود ہو۔ جو ان تمام مخالف قوتوں کا مقابلہ کرسکے جو اُسے مٹانے پر آمادہ ہوں۔ جو ناسازگار ماحول، ناساعد فضا اور ہلاکت آفرین اسباب کی مدافعت کا سامان اپنے اندر رکھتی ہو اور ان سے نبرد آزما ہو کر انہیں شکست دے اور یوں اپنے زندہ رہنے کا ثبوت پیش کرے۔

عزیز ساتھیو! وقت کے تقاضے اور خالقِ کائنات پکار رہا ہے اگر ہم زندہ ہیں تو ہمیں اپنی زندگی کا ثبوت فراہم کرنے کے لئے اسکی پکار کا جواب دینا چاہیئے۔

ضرورتِ رشتہ

ایک شریف خاندان (شیخ برادری) کی ناکتخدا لڑکی کے لئے جسکی عمر اٹھارہ سال ہے اور لڑکے کیلئے جس کی عمر بائیس سال ہے مناسب رشتے درکار ہیں۔ تعلیم دونوں کی میٹرک تک ہے۔ لڑکا لاہور میں اپنا کاروبار اعلیٰ پیمانے پر چلا رہا ہے۔ ترجیح لاہور، کراچی، راولپنڈی سے آنیوالے رشتوں کو دیجائیگی۔

خط و کتابت

(ف) معرفت ادارہ طلوعِ اسلام - ۲۵/بی گلبرگ ۲ - لاہور

نقد و نظر

۱۔ الاحباء

چوہدری نذیر احمد خان (ایڈووکیٹ، لاہور) کو جہاں فطرت نے اعلیٰ دماغی صلاحیتوں سے نوازا ہے وہاں انہیں ایک دلِ دردآگیں بھی مرحمت کر دیا ہے۔ جو ملت کی زبوں حالی پر تڑپ اٹھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ آج جو شخص ان اسباب و علل پر غور کرے گا جو امتِ مسلمہ کے زوال کا باعث ہیں، سب سے پہلے اس کی نگاہ ان اختلافات کی طرف جائے گی جن کی وجہ سے یہ قوم جسے امتِ واحدہ بنایا گیا تھا ٹکڑے ٹکڑے ہو رہی ہے۔ چوہدری صاحب کی نگرِ تجسس بھی امت کی اسی بنیادی علت پر جا کر رکی۔ اور اس کی اصلاح کے لئے انہوں نے، آج سے کچھ عرصہ پہلے، **الاحباء کے نام** سے ایک سوسائٹی کی بنیاد رکھی جس کا مقصد یہ ہے کہ سب سے پہلے پاکستان سے، نسلی اور علاقائی تعصبات کو ختم کر کے، قوم میں وحدت پیدا کی جائے اور اس کے بعد دیگر مسلم ممالک کے ساتھ روابط پیدا کر کے انہیں رشتۂ اخوت میں منسلک کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے ایک سہ ماہی جریدہ کا اجراء کیا ہے جس کا نام بھی الاحباء ہے اور جس کے جولائی ۱۹۶۹ء اور اکتوبر ۱۹۶۹ء کے (پہلے دو شمارے) ہمارے سامنے ہیں۔ یہ مجلہ انگریزی اور عربی زبانوں میں مشترکہ شائع کیا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ اس میں معیاری مقالات شائع کئے جائیں جس مقصد کے لئے اس مجلہ کا اجراء عمل میں لایا گیا ہے اس کے مفید ہونے میں دو آراء نہیں ہو سکتیں۔ ہم چوہدری صاحب موصوف کی خدمت میں ان کے اس جذبۂ ملی کے لئے ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہوئے آرزومند ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی ان مساعی جمیلہ کو ثمر بار فرمائے۔

مجلہ کی طباعت عمدہ اور کاغذ نفیس ہے۔ اور تین روپے فی کاپی کے حساب سے مجلس الاحباء کے دفتر واقع ۱۱۔ ڈنگا سنگھ بلڈنگ شاہراہِ قائداعظم لاہور سے مل سکتا ہے۔

۲- مزمورِ میرِ مغنّی

پاکستان کے جوان بخت و جواں سال شاعر، عبدالعزیز خالدؔ کی بعض تصانیف پر اس سے پہلے، طلوعِ اسلام میں تبصرہ ہو چکا ہے، اب ان کا تازہ ترین مجموعہ کلام "مزمورِ میرِ مغنی" کے نام سے ہمارے سامنے ہے۔ کتاب کے صفحۂ اول پر یہ دو شعر ہمارے سامنے آئے۔

یہ زر، یہ تگ و دو، یہ لو، یہ جنوں　　فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ
سَلَامٌ عَلَيْكُمْ فَاَنْتُمْ لَنَا　　فَرَطٌ وَّ اِنَّا بِكُمْ لَاحِقُوْنَ

تو ہم نے سمجھا کہ یہ "پیش لفظ" یا تعارف ہے۔ لیکن جب آگے بڑھے تو دیکھا کہ اس صحیفہ زریں کے ۲۰۵ صفحات پر پھیلے ہوئے ۱۲۶۰ اشعار اسی وزن، اسی قافیہ، اسی سلاست اور اسی بلاغت کے ساتھ، قرآنی آیات کے جلو میں، سلسبیلی انداز سے رواں دواں چلے جا رہے ہیں۔ مثلاً

مُنَزَّلٌ مِنَ اللہ ہے قرآن پاک
بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُدْهِنُوْنَ؟

یا —

عبادِ الٰہ ہیں عبادِ مال
وَهُمْ يَكْنِزُوْنَ وَلَا يُنْفِقُوْنَ!

جناب خالد کے دیگر کلام کی طرح، زیرِ نظر کتاب میں بھی عربی، فارسی، عبرانی، سریانی کے ادق الفاظ اور رموز و اشارات کی بڑی فراوانی ہے۔ ان کے لئے انہوں نے قریب ستر صفحات پر مشتمل ایک تشریح نامہ شامل کتاب کر دیا ہے جس کے بغیر ان کے بیشتر اشعار سمجھ میں نہیں آ سکتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ مشرق اور مغرب کی مختلف زبانوں اور ان کے لٹریچر پر جس قدر عبور خالد صاحب کو حاصل ہے اس کی مثال ہمارے دور میں کم ملے گی۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس سے پہلے بھی ان کی خدمت میں عرض کیا تھا (اور اپنی اس عرضداشت کو آج پھر دہراتے ہیں) کہ وہ اگر عربی زبان کا ایک لغت مرتب کر دیں تو یہ ان کی بہت بڑی خدمت ہو گی۔

مزمورِ میرِ مغنی، خود خالد صاحب اور ان کی سابقہ تصانیف کی طرح حسنِ صوری سے مرصّع ہے،

اور — ۵ روپے — میں
ٹریڈ اینڈ انڈسٹری پبلیکیشنز لمیٹڈ۔ کراچی — سے مل سکتی ہے۔

(پرویز)